بسم اللہ الرحمن الرحیم

الفرقان

جلد ۷
نمبر ۱
جمادی الثانیہ
سنہ ۱۳۷۶ ہجری

جنوری سنہ ۱۹۵۷ء

سیرت خیر البشر (صلی اللہ علیہ وسلم) نمبر

مندرجات

نمبر	مضمون	مصنف	صفحہ
۱	مقام مصطفوی	حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کلام	ٹائیٹل ۲
۲	چند ضروری گذارشات	ایڈیٹر	ص۲
۳	خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا پہلا دن	"	ص۳
۴	پیغمبر اسلام کے متعلق مستشرقین کے خیالات	ترجمہ مسعود احمد صاحب	ص۶
۵	جذبۂ عشق (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک آخری منظر)	سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کے قلم سے	ص۹
۶	سید الانبیاء کی بعثت کے متعلق حضرت زرتشت کی پیشگوئی	شیخ عبد القادر صاحب آف لائلپور	ص۱۷
۷	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقناطیسی قوت	شیخ محمد احمد صاحب پانی پتی مولوی فاضل	ص۲۵
۸	نعتیہ کلام	خالد ہدایت صاحب بی۔ اے لاہور	ص۳۲
۹	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت ایک کامل انسان	صوفی بشارت الرحمن صاحب ایم۔ اے	ص۳۳
۱۰	انسانِ کامل کا اسوۂ حسنہ	ملک نورالحق صاحب بی۔ ایس سی۔ کوئٹہ	ص۴۲
۱۱	محمد مصطفےٰ کے واسطے (نظم)	کیپٹن خادم حسین صاحب خادم	ص۵۲
۱۲	فتح مکہ کے حالات	ڈاکٹر عبد الحمید صاحب چغتائی۔ لاہور	ص۵۳
۱۳	ہدایات سرورِ کائنات دربارہ غزوات (نظم)	قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل ربوہ	ص۵۷
۱۴	اخلاق خیر الانام علیہ السلام	چودھری احمد الدین صاحب پلیڈر گجرات	ص۵۹
۱۵	سیرتِ محمدی کا اصل ماخذ	مولوی سمیع اللہ صاحب فاضل بمبئی	ص۶۷
۱۶	نذرِ عقیدت بدرگاہِ خیر الانام (نظم)	حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم۔ رضی اللہ عنہ	ٹائیٹل ۳

چند ضروری گزارشات

اوّل - احباب کرام کے سامنے الفرقان کا "سیرۃ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نمبر" پیش ہے۔ اس کے پڑھنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک خاکہ نظر کے سامنے آجاتا ہے۔ ہمارے مضمون نگار حضرات نے عمومی رنگ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے سب پہلوؤں پر نظر ڈالی ہے۔ تاہم بحرِ محمدیت میں سے یہ صرف ایک قطرہ ہے۔ درحقیقت ہم تو لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہوئے ہیں ورنہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا مقام و درجہ تو اتنا بلند ہے کہ بڑے سے بڑا تعریف کرنے والا بھی آخر یہی کہتا ہے ؎

ایں چشمۂ رواں کہ بخلقِ خدا دہم ٭ یک قطرۂ ز بحرِ کمالِ محمدؐ است

بہرحال یہ نمبر جیسا کچھ ہے احباب کے سامنے پیش ہے۔

دوم - رسالہ الفرقان کے مستقل جاری رکھنے میں اُن احباب کا بڑا حصہ ہے جو اس کے باقاعدہ خریدار ہیں اور اس کا چندہ بروقت ادا کرتے ہیں۔ اسکے بالمقابل جو دوست بقایادار ہیں اور تحریک کے باوجود اپنے ذمہ کا بقایا ادا نہیں فرماتے وہ قابلِ افسوس نقصان پہنچاتے ہیں۔ ایسے دوستوں سے درخواست ہے کہ وہ اپنے فرض کو شناخت کرتے ہوئے بقایاجات ادا فرمائیں اور آئندہ کے لئے پیشگی چندہ ادا فرمایا کریں۔ علاوہ ازیں یہ بھی ضروری ہے کہ ہر خریدار دوسرے احباب میں تحریک کرکے انہیں خریدار بنائیں۔

سوم - بچوں اور بچیوں کے لئے رسالہ کی تجویز اب بفضلہ تعالیٰ آخری مرحلہ پر ہے۔ ہم نے "ھلال" نام کیلئے ڈیکلریشن داخل کیا تھا مگر معلوم ہوا ہے کہ اس نام کا ایک رسالہ پہلے سے مغربی پاکستان میں جاری ہے اسلئے اس نام سے رسالہ جاری نہیں ہو سکتا۔

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ نے فرمایا ہے کہ اس رسالہ کا نام "تشحیذ الاذہان" رکھا جائے۔ اس نام سے حضور نے خود رسالہ جاری فرمایا تھا اور یہ نام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تجویز فرمایا ہے۔

پس اب اس بابرکت نام سے بچوں اور بچیوں کا رسالہ جاری ہو رہا ہے۔ یہ رسالہ پندرہ روزہ ہوگا یعنی مہینے میں دو بار شائع ہوا کریگا اور اس کا کاغذ بھی سفید ہوگا۔ اسلئے اس کا سالانہ چندہ پانچ روپے پیشگی مقرر کیا گیا ہے۔

جو عزیز بچے یا احباب ۳۱ جنوری ۱۹۵۷ء تک خریداری منظور فرما کر رقم بھجوادیں گے وہ تشحیذ الاذہان کے دورِ جدید کے بنیادی خریدار سمجھے جائیں گے اور ان کے نام پہلے رسالہ میں شائع کئے جائیں گے۔

جملہ خط و کتابت و ترسیل زر بنام تشحیذ الاذہان دفتر الفرقان ربوہ ہونی چاہیئے

جلد ۷
نمبر ۱

الفرقان
سیرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نمبر

جنوری
۱۹۵۷ء

(۱) حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا پہلا دن

وہ غارِ حرا سے سوئے قوم آیا ✤ اور اِک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا!

عرب شرک کا گہوارہ تھا۔ دُنیا کے تمام ممالک پر تاریکی چھا رہی تھی۔ کفر و فسق کا دَور دَورہ تھا۔ انسانیت اپنی حقیقی شان کو کھو چکی تھی۔ توحید کی بجائے انسانوں کے سر دوسرے انسانوں، جانوروں، درختوں اور پتھروں کے آگے سربسجود ہوتے تھے۔ اخلاق مٹ چکے تھے اور عدل و انصاف ناپید ہو چکا تھا۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی قوم اور ساری دُنیا کی اِس حالت کو دیکھ کر سخت غمگین اور افسردہ تھے۔ دُنیا کی حالت کو دیکھ کر آپؐ کا دل خون کے آنسو روتا تھا۔ چنانچہ آپؐ آبادی سے دُور ایک پہاڑ کی ایک غار میں دنوں اور راتوں کے لئے چلے جاتے اور وہیں خالقِ ارض و سماء سے مناجات کرتے۔ آپؐ کو یقین تھا کہ ایک زندہ خدا کائنات کا خالق ہے۔ آپ اعتقاد رکھتے تھے کہ وہی خدا نسلِ انسانی کی دستگیری کرے گا۔ آپؐ کا ایمان تھا کہ اللہ تعالیٰ دُعاؤں کو سُنتا ہے۔ اور انسانوں کی آہ و زاری پر اُن کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ آپؐ نے راتوں کو اس غار کی تنہائی میں انتہائی کرب و اضطراب کے ساتھ نسلِ انسانی کی ہدایت و رہنمائی کے لئے دُعائیں کیں اور گمراہ دُنیا کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دردمندانہ التجا کی تا اِس زمین پہ توحید قائم ہو اور آدم زاد خدائے واحد کے پرستار بن جائیں۔ انسان با اخلاق انسان بن جائیں۔ ان کے اندر روحانیت پیدا ہو جائے اور وہ بنی نوع انسان کے لئے مفید وجود بنیں۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کرب و اضطراب انتہاء کو پہنچ گیا۔ اور خدا تعالیٰ نے عرش سے فیصلہ فرمایا۔ کہ اسی پاکباز انسان کو ساری دُنیا کی ہدایت کے لئے مقرر کیا جائے۔ اور اسے عالمگیر اور دائمی ہادی کے طور پر مبعوث کیا جائے۔

ایک دن جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں اسی طرح آہ و فغاں کر رہے تھے اللہ تعالیٰ کا فرشتہ آپؐ پر نازل ہوا۔ اور جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ کا پیغام آپؐ کو پہنچایا۔ وہ پیغام یہ تھا کہ آپؐ ساری نسلِ انسانی کے لئے ہادی مقرر کئے گئے ہیں آپؐ ساری دنیا کو خدا کا پیغام پڑھ کر سُنائیں۔ پیغمبر علیہ السلام

کے لئے یہ پیغام غیر متوقع تھا اور آپؐ اُسے سُن کر حیران رہ گئے اور اس کی ذمہ داری کے پیشِ نظر آپؐ کے جسم پر ایک کپکپی طاری ہو گئی۔ ابتدائی آیات وحی آپؐ پر نازل ہوئیں اور آپؐ اس ذمہ داری کے احساس کی شدت سے کچھ گھبرائے ہوئے اور کچھ پریشانِ خاطر گھر واپس پہنچے اپنی محرمِ راز حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے سارا ماجرا کہہ سُنایا۔ حضرت خدیجہؓ کلام الٰہی کی عظمت سُن کر فوراً سمجھ گئیں کہ یہ تو کوئی اہم واقعہ ہونے والا ہے وہ اپنے مقدس خاوند کی زندگی سے واقف تھیں اور اس کی راستبازی کا عقیدہ ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکا تھا۔ پہلے تو حضرت خدیجہؓ نے بے ساختہ طور پر پیغمبر علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ کلّا واللہ لا یخزیک اللہ ابداً انّک لتصل الرحم و تحمل الکلّ وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علیٰ نوائب الحقّ۔ (بخاری شریف) یعنی آپ ہرگز گمان نہ کریں کہ یہ ماجرا آپ کو رسوا کرنے کیلئے ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز ذلیل نہ ہونے دیگا اور آپ اپنے مشن میں ضرور کامیاب ہو کر رہیں گے۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، آپ بلند اخلاق کے مالک ہیں، آپ محتاجوں کی دستگیری فرماتے ہیں، آپ مہمانوں کی خبر گیری کرتے ہیں، آپ مصیبت زدوں کے کام آتے ہیں۔ کیا ایسا شخص کبھی ضائع کیا جا سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔

حضرت خدیجہؓ کا یہ بے ساختہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا بہترین مرقع ہے۔ ابھی شریعت نازل نہیں ہوئی۔ ابھی وحی کی شعاعوں سے دُنیا میں نورانی کرنیں جاری ہی نہیں ہوئیں لیکن حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم وحیٔ رسالت سے پہلے بھی قابلِ تعریف یعنی محمدؐ تھے۔ اور اس کے بعد بھی آپؐ قابلِ تعریف یعنی محمدؐ ہیں۔

حضرت خدیجہ کا یہ بیان کسی قسم کے تکلّف اور تصنّع پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ نہ اسے اپنے خاوند کی چاپلوسی قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ بالکل تنہائی کا واقعہ ہے اور بے ساختہ کلام ہے۔ بیوی سے زیادہ رازدار مرد کے لئے اور کوئی نہیں۔ اور اس کی زندگی کی خامیوں اور خوبیوں کو بیوی سے زیادہ اور کوئی نہیں جانتا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یہ شہادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند اخلاق اور آپؐ کی قوّتِ قدسیّہ کی زبردست دلیل ہے۔

ابھی یہ دن ختم نہیں ہوُا۔ حضرت خدیجہؓ نے گفتگو ختم کرنیکے ساتھ ہی اپنے محبوب خاوند سے عرض کیا کہ آؤ ہم ورقہ بن نوفل کے پاس چلیں اور اُن سے اس ماجرا کی حقیقت معلوم کریں۔ ورقہ بن نوفل مکہ میں ایک عیسائی عالم تھے اور درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے ورقہ بن نوفل سے جا کر کہا۔ کہ آپ اپنے ابن عم کی بات سُنیں۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے غارِ حرا کا ماجرا بیان کر دیا۔ ورقہ بن نوفل کلام کی عظمتِ شان کو سُن کر فوراً پکار اُٹھے هٰذا هو النّاموس الّذی انزل علیٰ موسیٰ۔ یہ عظیم الشان فرشتہ ہے اور یہ عظیم الشان کلام الٰہی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام

کے لئے یہ پیغام غیر متوقع تھا اور آپؐ اُسے سُن کر حیران رہ گئے اور اس کی ذمہ داری کے پیشِ نظر آپؐ کے جسم پر ایک کپکپی طاری ہو گئی۔ ابتدائی آیاتِ وحی آپؐ پر نازل ہوئیں اور آپؐ اس ذمہ داری کے احساس کی شدت سے کچھ گھبرائے ہوئے اور کچھ پریشانِ خاطر گھر واپس پہنچے اپنی محرمِ راز حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے سارا ماجرا کہہ سُنایا۔ حضرت خدیجہؓ کلام الٰہی کی عظمت سُن کر فوراً سمجھ گئیں کہ یہ تو کوئی اہم واقعہ ہونے والا ہے وہ اپنے مقدس خاوند کی زندگی سے واقف تھیں اور اس کی راستبازی کا عقیدہ ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکا تھا۔ پہلے تو حضرت خدیجہؓ نے بے ساختہ طور پر پیغمبر علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ کلا واللہ لا یخزیك اللہ ابداً انك لتصل الرحم وتحمل الکلّ وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علیٰ نوائب الحق۔ (بخاری شریف) یعنی آپ ہرگز گمان نہ کریں کہ یہ ماجرا آپ کو رُسوا کرنے کیلئے ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز ذلیل نہ ہونے دیگا اور آپ اپنے مشن میں ضرور کامیاب ہو کر رہیں گے۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، آپ بلند اخلاق کے مالک ہیں، آپ محتاجوں کی دستگیری فرماتے ہیں، آپ مہمانوں کی خبر گیری کرتے ہیں، آپ مصیبت زدوں کے کام آتے ہیں۔ کیا ایسا شخص کبھی ضائع کیا جا سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔

حضرت خدیجہؓ کا یہ بے ساختہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت کا بہترین مرقع ہے۔ ابھی شریعت نازل نہیں ہوئی۔ ابھی وحی کی شعاعوں سے دُنیا میں نُورانی کرنیں جاری نہیں ہوئیں لیکن حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم وحیٔ رسالت سے پہلے بھی قابلِ تعریف یعنی محمدؐ تھے۔ اور اس کے بعد بھی آپؐ قابلِ تعریف یعنی محمدؐ ہیں۔

حضرت خدیجہؓ کا یہ بیان کسی قسم کے تکلف اور تصنع پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ نہ اسے اپنے خاوند کی چاپلوسی قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ بالکل تنہائی کا واقعہ ہے اور بے ساختہ کلام ہے۔ بیوی سے زیادہ رازدار مرد کے لئے اُور کوئی نہیں۔ اور اس کی زندگی کی خامیوں اور خوبیوں کو بیوی سے زیادہ اُور کوئی نہیں جانتا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یہ شہادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند اخلاق اور آپؐ کی قوتِ قدسیہ کی زبردست دلیل ہے۔

ابھی یہ دن ختم نہیں ہوا۔ حضرت خدیجہؓ نے گفتگو ختم کرنیکے ساتھ ہی اپنے محبوب خاوند سے عرض کیا کہ آؤ ہم ورقہ بن نوفل کے پاس چلیں اور اُس سے اس ماجرا کی حقیقت معلوم کریں۔ ورقہ بن نوفل مکہ میں ایک عیسائی عالم تھے اور درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے ورقہ بن نوفل سے جا کر کہا۔ کہ آپ اپنے ابن عم کی بات سُنیں۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ حرا کا ماجرا بیان کر دیا۔ ورقہ بن نوفل کلام کی عظمتِ شان کو سُن کر فوراً پکار اُٹھے هٰذا هو الناموس الذی انزل علیٰ موسیٰ۔ یہ عظیم الشان فرشتہ ہے اور یہ عظیم الشان کلام الٰہی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام

پر نازل ہوا تھا۔ ورقہ بن نوفل نے ان چند آیات میں جو پہلے دن غارِ حرا میں نازل ہوئی تھیں مستقبل کے عظیم الشان واقعات کو ملاحظہ کر لیا۔ کہنے لگا کہ اے خدا کے رسول! میں بوڑھا ہوں۔ کاش میں اس وقت جوان ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو اپنے وطن سے نکالے گی۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک دل اس امر کا وہم بھی نہیں کر سکتا تھا کہ میری قوم کے لوگ مجھے جلا وطن کر دیں گے۔ آپ فوراً کہنے لگے۔ اَوَ مخرجی ھم کیا قریش مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا۔ ہاں ہاں تجھے ہی نکال دیں گے۔ کیونکہ جس قسم کا پیغام تو لیکر آیا ہے۔ کبھی کوئی شخص ایسا پیغام لیکر نہیں آیا مگر اسکی ضرور مخالفت کی گئی ہے۔ اسلئے آپ کو بھی یہ سب واقعات پیش آئیں گے۔

ورقہ بن نوفل کی گفتگو کے بعد حضرت خدیجہؓ سب سے پہلی مومنہ اپنے قابلِ تعظیم خاوند سرورِ کونین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گھر واپس آگئیں۔ اب اُنکے سامنے مستقبل کی مشکلات کا تصور تھا۔ اور خدا تعالیٰ کے فضلوں کی بارشوں کا انتظار! جلیل القدر الفاظِ وحی آہنی میخ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں دھنس چکے تھے۔ اور ایک فولادی عزم پیغمبرِ اسلام علیہ السلام کے دل میں پیدا ہو چکا تھا۔ آپ ان تمام مشکلات پر قابو پانے کا پختہ ارادہ کر چکے تھے۔ اور خدا کے پیغام کی اشاعت آپ کی زندگی کا مقصد قرار پا چکا تھا۔ اس کے بعد تیئیس سال تک مسلسل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نسلِ انسانی کی وہ بے مثال خدمت کی اور ایسی عظیم الشان قربانیاں اس راہ میں دیں جن کی نظیر کسی اور نبی میں نہیں پائی جاتی۔ آپ وطن سے بے وطن بھی ہوئے۔ دشمنوں نے آپ پر عرصۂ حیات بھی تنگ کر دیا۔ آپ اور آپ کے ساتھیوں سے جنگ بھی کی گئی مگر آخر کار وہ نوشتہ پورا ہوا جو غارِ حرا میں پہلے دن اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ کے الفاظ میں نازل ہوا تھا۔ قرآن عرب کے گوشے گوشے میں پڑھا جانے لگا اور قرآنی شریعت اس سرزمین کے چپے چپے پر نافذ ہو گئی۔ پھر خدائی تقدیر کے مطابق یہ پیغام عرب سے باہر دنیا بھر کے ممالک میں پھیل گیا اور پھیلتا ہی جا رہا ہے۔ اور اب اس آخری دور میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خادموں کو اس کی دنیا بھر میں اشاعت کے لئے کھڑا کیا ہے جو دنیا کے اطراف میں پھیل کر کلمۂ توحید کی منادی کر رہے ہیں۔

یہ سب کچھ قرآنِ پاک کی عظمت کی دلیل اور ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ کے اثرات و مظاہر ہیں۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

پیغمبر اسلام کے متعلق مستشرقین کے خیالات

(ذیل میں مستشرقین یورپ کے چیدہ چیدہ اقتباسات پیش ہیں۔ ترجمہ مکرم میاں مسعود احمد صاحب بی۔اے نے کیا ہے ——— (مدیر))

۱۔ فہم و ادراک سے بالا شخصیت

مسٹر ایچ۔ ایم۔ ہنڈمین اپنی کتاب "ایشیا کی بیداری" کے صفحہ ۹ پر رقمطراز ہیں:۔

ترجمہ:- "آج بھی جبکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ابتدائی زندگی اور بعد کے واقعات کی جملہ تفصیلات خود ہمارے زمانے کے ان لوگوں نے کھول کھول کر بیان کر دی ہیں جنہوں نے اس شریف النفس اعرابی کی غیر معمولی زندگی کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کیریکٹر کو پورے طور پر سمجھنا اور ساتویں صدی عیسوی کے اوائل میں آپکو جو حیرت انگیز کامیابی نصیب ہوئی اس کی وجوہات کا احاطہ کرنا آسان نہیں ہے۔ ہر چند کہ آپ نے کسی مرحلہ پر بھی اپنے بارے میں خدائی طاقتوں کا دعویٰ نہیں کیا پھر بھی خدا کے اس انسان رسول پر اسکے اپنے ہی خاندان کے افراد سب سے پہلے ایمان لائے۔ ابتدائی ناکامی کے بعد آپ اپنی قوم کے آزاد پسند افراد کو نظم و ضبط کا پابند بنانے میں کامیاب ہوئے اور جس شخص کا بھی آپ سے واسطہ ذاتی حیثیت سے اس پر ایسا نمایاں اثر چھوڑا کہ نہ تو غربت و افلاس کی حالت میں اور نہ مصیبت کی تکلیف دہ گھڑیوں میں جبکہ کفار مکہ آپ کے تعاقب میں تھے اور نہ ہی خوشحالی کے انتہائی عروج کے وقت آپ کو کوئی ایسا موقع پیش آیا کہ جب آپ کو اپنے ماننے والوں کے متعلق غداری کی کوئی شکایت زبان پر لانی پڑی ہو اُس وقت کے بالمقابل کہ جب آپ شکست خوردہ دشمن سے اپنی بات منوانے پر قادر ہوتے ناکامی اور شکست کے تکلیف دہ لمحات میں آپ کا خود اپنے اوپر اعتماد اور آسمانی وحی و الہام پر آپ کا ایمان اور زیادہ مضبوط نظر آتا تھا۔ آپ نے اُن لوگوں کے درمیان ہی زندگی بسر کی جو ابتداءً آپ پر ایمان لائے تھے۔ اور بالآخر اُن کے ہی درمیان وفات پائی۔ آپ کی موت اسی طرح راز اور گنجلک سے مبرا تھی جس طرح آپ کی زندگی ہر قسم کے اخفاء اور بھید سے یکسر منزہ واقع ہوئی تھی۔"

(H.M. Hyndman "The Awakening of Asia P.9)

۲۔ اعلیٰ اور عظیم ترین صفات

جرمن مستشرق ڈومر نے اپنی کتاب "محمدؐ اور اسکے کارنامے"

میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ اور عظیم ترین صفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:-

ترجمہ: "ابن اللہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ صرف اللہ کے رسول کی حیثیت سے آپ مبعوث ہوئے۔ آپ نے بانگِ دہل اعلان کیا کہ میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ میں خدا کا فرستادہ اور مامور بھی ہوں۔ اس نظریہ سے مملو ہو کر آپ نے اعلیٰ اور عظیم صفات سے اپنے آپ کو متصف کیا اور اس کے مطابق عمل بھی کر کے دکھایا۔ آپ نے خدائی نور سے منور ہو کر غیر متزلزل قوتِ ارادی سے بہرہ ور ہو کر اور پھر ایک انتہائی شدید جذبے سے سرشار ہو کر جس میں محبت، سخاوت اور لطافت سموئی ہوئی تھی اپنے اس مشن کا آغاز کیا جو کہ محض ہونے کے باعث ایک عظیم جدوجہد کا متقاضی تھا اور پھر آپ نے اس وقت تک دم نہ لیا جب تک کہ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہ کر لی یعنی یہ کہ سارا جزیرہ نمائے عرب مسلمان نہ ہو گیا۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کا کردار آپ کے پیروؤں کے لئے ایک معیار کی حیثیت رکھتا تھا۔ دشمنوں کی دشمنی جب تک سرد نہ پڑ گئی آپ نے بے جگری کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا اور خوف کو اپنے قریب بھی پھٹکنے نہ دیا۔ مفتوحین پر آپ مہربان تھے اور تمام غیر مسلموں کے حق میں سخاوت و رواداری کے مظہر اور جب اپنے عقائد کی تبلیغ کے دوران حالات سے مجبور ہو کر آپ کو تلوار ہاتھ میں لینی پڑی تو آپ نے ان لوگوں کو جن پر آپ نے فتح پائی کسی طرح بھی نیا مذہب اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعد میں بھی مسلمان حکومتوں میں غیر مسلموں پر معمولی سے ٹیکس کے سوا اور کوئی زائد بوجھ نہیں ڈالا گیا۔"

(Doumer "Mohamed und Sein Werk, P. 261)

۳۔ سادگی اور ہم آہنگی کا مرقع

آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کے ڈائریکٹر مسٹر جان تھیتی ایم۔ اے (آکسن) نے لندن قرآنی اقتباسات کی مشہور کتاب The wisdom of the Quran کے دیباچہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال زندگی کی نمایاں اور امتیازی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"محمدؐ کی زندگی گوناگوں واقعات اور انتہائی حیران کن نتائج و اثرات سے بھرپور ہونے کے ساتھ ساتھ فی ذاتہٖ سادگی اور ہم آہنگی کا مرقع تھی۔ یہ ایک ایسے انسان کی زندگی تھی جو بے راہروی سے مبرا تھا جس کا قدم پوری سلامت روی کے ساتھ اپنی منزلِ مقصود کی طرف بڑھتا گیا۔ جیسے پورے طور پر اس بات کا علم تھا کہ وہ کونسی منزلِ مقصود ہے جس تک اسے پہنچنا ہے۔ آپ کو جو حالات بھی پیش آئے ان میں آپ کو حقائق پر صحیح مدبرانہ عبور حاصل تھا۔ پھر آپ نے اپنے تمام اعمال و افعال پر ایسا مثالی ضبط برقرار رکھا جس میں انسانی زندگی کے عام مقاصد سے بہت بالاتر مقصدیت کارفرما تھی۔

حقائق پر یہی صحت مندانہ عبور اور افعال وکردار پر یہی مثالی ضبط آپ کی زندگی کی نمایاں اور امتیازی خصوصیات تھیں۔

آپ کو اپنے مشن پر زندہ یقین حاصل تھا۔ آپ خداداد ذہنی صلاحیتوں اور غیر متزلزل عزم کی دولت سے بہرہ ور تھے۔ اسی لئے آپ جملہ مشکلات پر قابو پانے اور راستے کی سب رکاوٹوں کو دور کرنے میں کامیاب رہے۔ دوسروں کے ساتھ معاملہ کرنے میں دیانتدارانہ اور بے لوث طرزِ عمل کے باعث جوانی میں ہی آپ "الامین" کے نام سے پکارے گئے۔

قدرت نے آپ کو (فراخدلی سے) ذہنی اور جذباتی صلاحیتیں عطا کی تھیں۔ نمایاں اور غیر معمولی جسمانی قوتیں اس پر مستزاد تھیں۔ جو ان صلاحیتوں کو اور زیادہ اُجاگر کرنے کا موجب بنیں۔ الغرض آپ ایک ایسی ہستی تھے جو دوسروں پر حکومت کرنے اور ان کی قیادت کا فرض ادا کرنے کیلئے پیدا کی گئی تھی۔ اس پر لطف یہ آپ کی ذات لوگوں کیلئے محبت و احترام کا مرکز تھی۔

تقویٰ و طہارت کا ایک شدید احساس تھا جو محمدؐ کی پوری زندگی پر چھایا ہوا تھا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ قرآنی الفاظ کے بموجب آپ نے دنیا کے سامنے یہ اعلان کیا۔ میری عبادت، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ کیلئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ آپ کے لئے یہ امر پہلے سے مقدر تھا کہ آپ تیرہ صدیاں قبل اُن لاتعداد بھٹکی ہوئی روحوں کو آستانہ الوہیت پر لا ڈالیں جو آج آپ ہی کی بدولت حق وصداقت کے راستے پر گامزن ہیں۔"

(John Naish "The Wisdom of the Quran" Introduction)

۴۔ لاثانی حقیقت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو لوگ سب سے پہلے ایمان لائے تھے اُن میں ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی شامل تھیں۔ مشہور یورپین مصنف ارنسٹ ٹی۔ رینان نے اس امر کو آپ کی صداقت کی ایک زبردست دلیل قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب "ازمنہ قدیم کے مذاہب" کے صفحہ ۱۶۱ پر لکھتے ہیں:۔

ترجمہ:۔ "یہ امر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حق میں یقیناً ایک بہت قابلِ احترام شہادت ہے کہ آپ کے مقدس مشن پر سب سے پہلے وہ عورت ایمان لائی جو آپ کی کمزوریوں سے سب سے زیادہ باخبر ہو سکتی تھی۔ جملہ انبیاء کی تاریخ میں یہ شہادت ایک ایسی حقیقت کا درجہ رکھتی ہے جس کی اور کوئی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی۔"

(Ernest T. Renan, "Religions of Antiquity" P. 161)

حضرت خاتم النبیینؐ کی زندگی کا آخری مؤثر ترین منظر

جذبۂ عشق

از افاضات حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ

(ذیل کے مضمون میں واقعات تاریخ سے اور جذبات فطرت کی گہرائیوں سے لئے گئے ہیں ——— حامد محمودؓ)

دن کا وقت تھا مجلس میں چاروں طرف خاموشی تھی۔ ایک بزرگ ہستی جس کا چہرہ ایک بقعۂ نور تھا اور جس کے پاکیزہ جسم سے نہایت تیز مقناطیسی شعاعیں نکل نکل کر اس کے ہم مجلسوں کے دلوں کو مسحور کر رہی تھیں۔ مجلس کے درمیان بیٹھا تھا۔ وہ مقناطیسی شعاعیں جو اسکے جسم سے نکل رہی تھیں۔ دو قسم کی تھیں۔ ایک محبت پیدا کرنے والی تھیں اور دوسری رُعب۔ جن لوگوں کے دلوں کی کھڑکیاں کھلی تھیں وہ شعاعیں ان کے اندر داخل ہو کر عجیب کیفیت پیدا کر رہی تھیں۔ ایک طرف جذبۂ محبت تھا جو بچے کی ماں سے محبت کی نسبت بھی زیادہ ناز اور والہیت پیدا کر رہا تھا۔ دوسری طرف جذبۂ رُعب تھا کہ سلاطین و ملوک سے بھی زیادہ ادب و نیاز کا احساس پیدا کر رہا تھا۔ محبت کہتی تھی' اس چہرے کو دیکھے جا۔ ادب کہتا تھا آنکھیں نیچی رکھ۔ ناز کا اصرار تھا کہ باتیں کر اور کرتا ہی جا۔ نیاز کہتا تھا خاموش رہ اور کان رکھ۔

یہ منور وجود اور مقدس ہستی سادگی اور بے نفسی میں اپنی مثال آپ تھی۔ بادشاہانہ رُعب تھا مگر فقیرانہ لباس۔ سلاطین سے بڑھ کر دبدبہ تھا مگر مسندِ شاہی کی جگہ ایک معمولی سا کپڑا نیچے بچھا ہوا تھا۔ اس میں اور اس کے ساتھیوں میں کچھ فرق نہ تھا بلکہ ان میں سے کئی کا لباس اس کے لباس سے بہتر تھا۔

خدا تعالیٰ نے جس طرح باطنی کمالات اس بزرگ کو دیئے تھے ظاہری خوبیاں بھی موجود تھیں۔ جس کی بناوٹ میں کوئی ایسا نقص نہ تھا کہ دیکھنے والے کو گھن آئے۔ بلکہ مردانہ حُسن و خوبصورتی سے اُسے وافر حصہ ملا تھا جس کی وجہ سے انسان چہرہ کو دیکھتے ہی ادب و محبت محسوس کرنے لگتا تھا۔ سچ ہے کہ خیالات انسان کے چہرہ پر بھی اثر ڈالنے لگتے ہیں۔ اس بزرگ کا چہرہ اُن تمام اندرونی نوروں کا شاہد تھا جو اسکے دل میں ایک وسیع سمندر کی طرح موجزن تھے۔ اس کا قد میانہ اور رنگ خوبصورت اور سفید تھا۔ اس کے بال نہ تو گھنگریالے تھے نہ بالکل سیدھے۔ رنگ کے لحاظ سے وہ کسی قدر سُنہری تھے۔ اس کا جسم بہت ملائم تھا اور اس میں سے خوشبو آتی تھی۔ اس کا سینہ چوڑا تھا اور کندھوں کے درمیان بہت فاصلہ تھا جو وسعتِ حوصلہ اور سادگی طبیعت پر دلالت کرتا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں موٹے موٹے تھے اور ہتھیلیاں بہت چوڑی تھیں۔

جو ایک طرف شجاعت پر اور دوسری طرف سخاوت پر دلالت کرتی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ بات کرتا تھا اور مخاطب کے احساسات کا بہت ہی لحاظ کرتا تھا۔ اس کے ماتھے پر شکن نہ تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ جوش میں آنے کا کبھی عادی نہیں ہوا۔ وہ ہمیشہ مسکراتا تھا۔ مگر لاابالی متوالے انسان کی مسکراہٹ نہیں جو اُسے اچھا مجلسی تو ثابت کرتی ہے مگر قابلِ اعتبار دوست نہیں۔ بلکہ اس کے ہونٹوں پر ایک سنجیدہ اور افسردہ مسکراہٹ کھیلتی تھی۔ جو اُسے اور بھی پیارا بنا دیتی تھی۔ کیونکہ اسکے خفیف شکنوں پر صاف صاف طور پر لکھا ہوا نظر آتا کہ اس مسکراہٹ کی غرض دوسروں کی دلداری اور دلجوئی ہے ورنہ غمخواری اور ذمہ داری نے اس کے دل کو درد و الم کا مخزن بنا رکھا ہے۔ ابھی ابھی کا واقعہ ہے کہ بیماری کی وجہ سے وہ خانۂ خدا میں نہ جا سکا اس کے اصحاب جو اس کی خفیف سی تکلیف کو بھی برداشت نہ کر سکتے تھے اور اس کی تھوڑی سی جدائی کی بھی طاقت نہ رکھتے تھے گھبرا گئے۔ ایک اور شخص عبادت کے لئے کھڑا ہوا اس کا کھڑا ہونا تھا کہ عبادت گھر آہ و بکا کے شور سے گونج اٹھا۔ مرغِ بسمل اس طرح نہیں تڑپتا جس طرح میدانِ جنگ کے شیر اور صف شکن بہادر کرب و اضطراب سے بے تاب ہو رہے تھے۔ آنسو تھے کہ ان کی تار نہ ٹوٹتی تھی۔ سینے تھے کہ اُبلنے والی ہنڈیا کی طرح کھول رہے تھے۔ وہ سہارا لیکر اُٹھا۔ دوسروں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑکی تک آیا۔ حالانکہ اس میں کھڑا ہونے کی طاقت نہ تھی۔ اس نے کھڑکی کا پردہ ایک طرف کیا اور عبادت گھر کی طرف سر جھکا کر مسکرا دیا۔ اس کی مسکراہٹ نے لوگوں کو وارفتہ کر دیا۔ وہ بے اختیار ہو کر نعرہ ہائے مسرت مارنے لگے۔ اس نے پھر اپنا سر اندر کر لیا۔ لوگ خوش تھے مگر آہ انہیں کیا معلوم تھا کہ اس ذرا سی مسکراہٹ کے پیدا کرنے کے لئے اسے کس قدر جذبات درد و الم کو محسوس کرنا پڑا۔ اے مقدس وجود میری جان تجھ پر قربان، میرا دل تجھ پر نثار ہو۔ تُو نے موت کی آخری کشمکشوں میں بھی دوسروں کی ادنیٰ خوشی کو مدِ نظر رکھا۔

ہاں! تو آج بھی ان لوگوں کے چہرے افسردہ نظر آتے تھے مگر اس کے چہرہ کی بشاشت قائم تھی۔ وہ انہیں اپنی آنے والی جدائی کے لئے تیار کر رہا تھا اور جس طرح آہنگر تلوار کو مکمل کر کے آخری دفعہ صیقل کرتا ہے وہ بھی اپنے اصحاب کے دلوں کو آخری دفعہ جلا دے رہا تھا۔ وہ ان کے سامنے سب ضروری سبق دُہرا رہا تھا۔ وہ خدا تعالیٰ کے جلال اور اسکی عظمت کے سبق اُن کے دلوں میں تازہ کر رہا تھا۔ اس کی محبت کا ولولہ اُن کے دلوں میں پیدا کر رہا تھا۔ ثبات و استقلال کی تعلیم دے رہا تھا۔ عورتوں سے حسنِ سلوک، غریبوں کے حقوق کی نگہداشت، یتیموں کی امداد، غلاموں کی آزادی کی تحریک، شکستہ دلوں کی دلجوئی قرضداروں کی اعانت، مسافروں کے ساتھ حسنِ سلوک، رعایا کی بہتری کی کوشش، غیر مذاہب والوں کے جذبات کا احترام، اخلاقِ فاضلہ کا قیام، عدل و انصاف کا اثبات، غرض دُنیا کی ہر ایک نیکی کی تعلیم اور ہر ایک بدی سے بچنے کی ہدایت وہ دے رہا تھا۔ مگر

اپنے اور اپنے بیوی بچوں کا ذکر وہ بالکل حذف کر جاتا۔ گویا اُس وقت دنیا اپنی ساری تفاصیل کے ساتھ اسکے سامنے موجود تھی۔ مگر وہ آور اس کا گھرانہ بالکل غائب تھے۔ مگر نہیں۔ میں غلطی کرتا ہوں۔ وہ کبھی کبھی اپنا ذکر بھی کرتا تھا۔ مگر اسلئے نہیں کہ اپنے مخاطبوں سے اپنی قربانیوں کی داد طلب کرے، اپنی فدائیت کا صلہ مانگے یا اپنے رشتہ داروں کی سفارش کرے۔ نہیں، بلکہ اس کے بالکل مخالف وہ کبھی کبھی بات کرتے کرتے رُک جاتا تھا۔ اور اس کے چہرہ پر انتہائی کرب و اضطراب کے آثار پائے جاتے تھے۔ اس کے دل سے ایک آہ نکلتی تھی۔ ایسی آہ جس کی گہرائی کا اندازہ لگانا انسانی طاقت سے بالا ہے۔ وہ کچھ دیر خاموش رہ کر بولتا اور اس کی آواز جذباتِ غم کا ایک ایسا ہیجان ظاہر کرتی جس کے مقابلہ میں سمندر کے تلاطم بھی کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ وہ مضطربانہ طور پر کہتا کہ خدا یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا۔ ان فقروں کے بولتے وقت اس کی عجیب کیفیت ہوتی تھی۔ وہ حسرت و غم کا مجسمہ بن جاتا اور درد و الم کی تصویر۔ بالکل یوں معلوم ہوتا تھا کہ اس کی آواز کی ایک ایک لہر کے ساتھ بے تعداد تمنائیں اور التجائیں لپٹی ہوئی ہیں۔ اور وہ اپنی تمام عمر کی خدمات اور قربانیوں کا آخری بدلہ مانگتا ہے۔ کیا بدلہ؟ یہ کہ اس کی قبر کو شرک کی جگہ نہ بنا لیا جائے۔ اس کی آواز غم و الم میں اسطرح ڈوبی ہوئی نکلتی تھی کہ گویا اس کی اور اس کے خاندان کی تمام بہبودی صرف اس سوال کے جواب میں پوشیدہ ہے

وہ اپنے لئے صرف یہ مانگتا تھا کہ اسے پیدا کرنیوالے کی عزت چھین کر اُسے نہ دی جائے۔ میری جان اُس پر فدا اور میرا دل اس پہ قربان ہو۔ وہ کیسا وفاشعار تھا۔

میں پھر اپنے مطلب سے دُور چلا گیا۔ میں کہہ رہا تھا کہ ایک دن وہ اپنی آنے والی جُدائی کے برداشت کرنے کے لئے اپنے احباب کو تیار کر رہا تھا اور اپنی پاکیزہ تعلیم کے خوشنما آثار پر پھر ایک دفعہ تکرار کے خطوط کھینچ کر انہیں جِلا دے رہا تھا۔ آخر اس نے سمجھا کہ اس کا کام ختم ہو گیا ہے، وہ اپنا مقصد پورا کر چکا ہے۔ اس وقت اس کے اصحاب کی کیفیت عجیب تھی۔ اگر کبھی بھی انسان کا گوشت اور پوست جذبات و احساسات کی شکل میں بدل گیا ہے تو اُسوقت اس کے اصحاب کا یہی حال تھا۔ وہ مجسم احساس بن رہے تھے۔ ان کا گوشت بھی احساس بن رہا تھا اور پوست بھی اور ہڈیاں بھی اور ان کے اندر کا گودا بھی۔ وہ مغز بن گئے تھے بغیر چھلکے کے اور خوشبو بن گئے تھے بغیر پتیوں کے۔ وہ نفوسِ قدسیہ تھے جو مادہ کی حدبندی کو توڑ چکے تھے۔ اور بلند پرواز طائر تھے جو زمین کی کثافتوں سے بالا ہو چکے تھے۔ اس نے ان کی طرف دیکھا اور کہا کہ میں بھی ایک انسان ہوں جس طرح تم انسان ہو۔ مجھے ہمیشہ تم سے معاملات پیش آتے رہتے تھے۔ بالکل ممکن ہے کہ کبھی میرے ہاتھ سے کسی کو کوئی اذیت پہنچی ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ قیامت کے دن خدائے قادر کے سامنے مجھے جوابدہ

ہونا پڑے۔ پس جس کو میرے ہاتھ سے کوئی اذیت پہنچی ہو وہ آج مجھ سے بدلہ لے۔

یہ فقرے گویا اس کے اصحاب کی کمر توڑنے کیلئے آخری تنکا تھے۔ اُن کے دل پگھل گئے اور آنکھیں ساون کی جھڑی کی طرح برس پڑیں۔ اُن کا پیارا جس نے اپنی عمر دنیا کو اذیت سے بچانے کے لئے اور غلامی سے چھڑانے کے لئے خرچ کر دی وہ اور اسکے ہاتھ سے کسی کو اذیت پہنچی ہو۔ وہ اور اس سے کوئی شخص بدلہ لینے کا خیال کرے۔ اگر چاند تک بچہ کا ہاتھ پہنچ سکتا ہے یا اگر انسانی آنکھ عالم کی انتہا تک پہنچ سکتی ہے تو بے شک اس سراپا نور کا بھی عیب کسی کو نظر آ سکتا ہے۔ مگر جب حقیقت یہ ہے کہ چاند میں داغ ہیں مگر اس مطہر وجود کی زندگی داغوں سے پاک ہے تو پھر اس سے بدلہ لینے کے معنی ہی کیا ہوئے؟

سورج چمک رہا تھا مگر اس کی شعاعیں دھندلی نظر آنے لگ گئیں۔ ہوائیں چل رہی تھیں مگر اُن پر ایک سکوت کا سا عالم طاری ہو گیا۔ درخت ہل رہے تھے مگر ایسا معلوم دینے لگا گویا وہ ٹھہر گئے ہیں۔ پرندے گا رہے تھے مگر ایسا محسوس ہوتا تھا گویا ان کے گانے میں سے خاموشی کی لہریں پیدا ہو رہی تھیں۔ سب لوگ محوِ حیرت ہی تھے کہ ایک شخص بولا۔ حضور! ایک جنگ کے موقع پر آپ صف بندی کر رہے تھے کہ ایک صف سے گزر کر آپ کو آگے جانے کی ضرورت پیش آئی۔ آپ جس وقت صف کو چیر کر آگے گئے تو آپ کی کہنی میری پیٹھ کو لگی۔

ہر ایک جو محبت وعشق کا مزا جانتا ہے سمجھ سکتا ہے کہ اُس وقت مجلس کا کیا حال ہو گیا ہو گا۔ تمام حاضرین پر ایک سناٹا چھا گیا۔ کئی منچلوں کی تلواریں میانوں سے نکل نکل پڑتی تھیں۔ آنکھیں شربار تھیں مگر دم مارنے کا یارا نہ تھا۔ ہونٹ پھڑپھڑاتے تھے مگر بولنے کی طاقت نہ تھی۔ دماغ پر جوش وغضب کا تسلط ہو رہا تھا مگر اظہار کی جرأت نہ تھی۔ سورج اسی طرح چمک رہا تھا۔ مگر محبت کی آنکھ سے دیکھنے والوں کو یوں نظر آیا جیسے اس کی شعاعیں تیز ہو گئی ہیں اور اس کی دھوپ سرخ ہو رہی ہے اور دنیا کو جلانے کے لئے تیار ہے۔ ہوائیں اسی طرح چل رہی تھیں مگر یوں معلوم دینے لگا گویا اُن کی رفتار میں تیزی پیدا ہو گئی ہے۔ اور وہ دنیا کو تباہ کرنے پر تُلی ہوئی ہیں۔ درخت اسی طرح ہل رہے تھے مگر نظر یوں آتا تھا۔ کہ گویا وہ ابھی زمین سے اکھڑ کر جا پڑیں گے۔ پرندے ویسی ہی میٹھی آواز سے گا رہے تھے مگر محبت کے کان ایک کان پھاڑ دینے والا شور سن رہے تھے جو دوزخ کا چیخ کے مشابہ تھا۔ غرض سب مجلس میں کیا متکلم اور کیا سامع سب کے دلوں میں ایک ہیجان برپا تھا اور ہر ایک کی قلبی کیفیت کے مطابق عالم میں بھی ایک تغیر نظر آ رہا تھا۔ مگر ایک شخص ان سب ہیجانوں سے بالا تھا۔ اور وہ وہی بزرگ نفس انسان تھا جس نے ہر اس شخص کو بدلہ لینے کی دعوت دی تھی جسے اس کے ہاتھوں سے کوئی نقصان پہنچا ہو۔ اُس نے نہایت متانت اور خوشی سے جواب دیا کہ! مَیں بیٹھا ہوں میری پیٹھ پر کہنی مار لو۔ حضارِ مجلس کے دماغ جوشِ غضب سے اُبل رہے تھے۔

مگر وہ کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ یقیناً خدا کے فرشتے اس وقت اس خدا کی حمد گا رہے تھے۔ جس نے اس رسول کو پیدا کیا تھا۔

وہ شخص جس نے بدلہ کا مطالبہ کیا تھا اُٹھا۔ اور اس نے کہا کہ جناب جس وقت مجھے آپ کی کہنی لگی تھی اس وقت میرا جسم ننگا تھا۔ پس بدلہ پورا نہیں ہو سکتا جب تک آپ کے جسم پر سے کُرتہ اُتارا جائے۔ اس بزرگ نے فوراً اپنی پیٹھ پر سے کُرتہ اونچا کر دیا۔ کہ لو اب کہنی مارو۔

اس وقت لوگوں کے دلوں کی حرکت بند ہو گئی اور دنیا ایک عالم حیرت نظر آنے لگی۔ ہر ایک شخص حیران تھا کہ وہ شخص جو بدلہ کے لئے آمادہ تھا کیا دیتا ہے۔ اگر اس بزرگ کا ڈر نہ ہوتا تو اس وقت اس شخص کی ایک بوٹی بھی نظر نہ آتی۔ مگر اس کے ثبات میں بھی کچھ فرق نہ آیا۔ اس نے لوگوں کے غصہ کی بھی پرواہ نہ کی۔ وہ اُٹھ کے اس بزرگ کے پاس آیا اور پیٹھ کی طرف جھکا۔ اس کے چہرہ کے اعصاب اس وقت پھڑک رہے تھے۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے اسکے نتھنے پھول رہے تھے۔ وہ نیچے جھکا اور اس بزرگ کی ننگی پیٹھ کو ادب سے اپنے ہونٹوں سے چھوا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور خدا کی حمد بجا لاتا ہوا وہ کھڑا ہو گیا۔ وہ آنسو جذبۂ عشق کے آنسو تھے۔ اس نے کہا۔ حضور! کجا بدلہ اور کجا یہ خادم! جس وقت حضور سے معلوم ہوا کہ شاید وہ وقت قریب آ پہنچا ہے جس کے خیال سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو میں نے چاہا کہ میرے ہونٹ ایک دفعہ اس بابرکت جسم کو مَس کر لیں جسے خدا تعالیٰ نے برکتوں کا مجموعہ بنایا ہے پس میں نے اس کہنی کو اپنے مقصد کے پورا کرنے کا ذریعہ بنایا جس کا لگنا اس وقت بھی میرے لئے موجب فخر تھا اور آج بھی — جماعت پر سے حیرت دُور ہو گئی۔ تعجب کی سختی جاتی رہی اور دل پھر نرمی سے حرکت کرنے لگے۔ کئی دماغ جو پہلے غصہ کے خیالات سے لبریز تھے اب رشک کے جذبہ سے معمور ہو گئے۔ سورج اب بھی چمک رہا تھا مگر اب اس کی روشنی بہت خوبصورت اور محبت کی بجلی سے بھری ہوئی معلوم ہوتی تھی ہوائیں اب بھی چل رہی تھیں مگر اب ان میں دیارِ محبوب کی خوشبو ملی ہوئی معلوم دیتی تھی۔ درخت اب بھی ہل رہے تھے مگر اب ان کی حرکات خوشی کے ناچ کے مشابہ لگتی تھیں۔ پرندے اب بھی گا رہے تھے مگر یوں معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا وہ حمد و ثنا کے گیت گا رہے ہیں۔ مجلس میں افسردگی کے باوجود خوشی کی ایک لہر دوڑ رہی تھی۔ اور اس کا سبب جذبۂ عشق کا وہ مظاہرہ تھا جو اوپر بیان ہوا۔ اس بزرگ کے ہونٹوں پر اسی طرح مسکراہٹ تھی اور مسکراہٹ کے پیچھے ایک بارِ الم و غم تھا۔

یہ بزرگ میرا محمد ﷺ تھا اور اہل مجلس اس کے صحابہؓ تھے۔

اللّٰھم صلّ علیٰ محمّدٍ وعلیٰ
آلِ محمّدٍ وبارک وسلّم
انّک حمید مجید

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں کی نظر میں!

ذیل میں چند غیر مسلم مشاہیر کے حوالہ جات نقل کئے جاتے ہیں جن میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنی عقیدت کا اظہار فرمایا ہے ——— (مدیر)

۲۔ سادھو ٹی۔ ایل وسوانی

"جب میں اس مہینہ (نومبر) میں جو رسول اکرمؐ کی یاد میں مقدس مہینہ مانا جاتا ہے حضرت موصوف کے حالات پر غور کرتا ہوں تو مجھے اس انسان کی زبردست شخصیت پر حیرت ہوتی ہے۔ ایک غیر منظم پست اخلاق۔ شرابی قوم کے درمیان جو پتھروں اور محسوسات کی پرستش کرتی تھی یہ انسان (محمدؐ) قتل کی دھمکیوں کے مقابلہ میں قریشیات میں تنہا دلیری اور جرأت کے ساتھ للکارتا ہوا نظر آتا ہے۔ وہ کونسی چیز ہے جو اسے اس لڑائی میں ایک بہادر کی طرح ڈٹا رہنے کی طاقت دیتی ہے؟ اور یہ لوگ اس کی باتیں سنتے ہیں۔ اس کے لفظوں میں جادو کہاں سے آگیا؟ وہ غلاموں کو آزاد کرتا ہے اور نیچ [illegible]وں کو اعلیٰ طبقہ کے ہم پلہ تسلیم کرتا ہے ہمیں دیکھو ہم ہندوستان میں اچھوتوں کے حقوق کیلئے ابھی [illegible]ہے ہیں اور پھر بھی انہیں دیوتاؤں کے مندر تک لانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ حضرت محمدؐ میں کالو ملن کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جانے کی طاقت کہاں سے آگئی؟ ہندوستان اب بھی شراب نوشی کی علت میں مبتلا ہے۔ ہماری پکٹنگ کی مہمیں یہیں تک آ کر دہ گئی ہیں آگے نہیں چل سکیں۔ قدیم روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت محمدؐ نے حکم دیا کہ ہر قسم کی شراب ترک کر دی جائے اور لوگوں نے مدینے کی گلیوں میں شراب کے مٹکے پھینک اور توڑ دیئے۔ حضرت محمدؐ کو اہل وطن پر قابو کہاں سے حاصل ہوا؟ عرب غیر منظم تھے حضرت محمدؐ نے ان کو ایک قوم بنا دیا۔ وہ نیم وحشی حالت میں تھے حضرت محمدؐ نے اُن کو ابھارا اور وحشت سے نجات دی اور اقوامِ عالم میں اُن کو زبردست اور بڑی قوم بنا دیا۔ ملک عرب تہذیب کا رہنما، صحرا کے عرب تمدن کا مشعل بردار ہوا اور عربی تمدن نے ایشیا اور یورپ میں ایک جدید دُنیا، ترقی اور جدید انسانیت کو نشو و نما دی۔

اے محمدؐ! میں جو رشیوں کا ایک ادنیٰ خادم ہوں تجھے خدا کا سچا رسول مانتا ہوا بڑے ادب و انکسار سے تیرے آگے اپنی گردن خم کرتا ہوں۔ تیری یہ عظیم الشان شکتی خدا ئے لایزال کی دین تھی اور آئندہ زمانہ میں بھی ایک لافانی تاریخی ہستی کی حیثیت سے تجھے پرنام کیا جاتا رہے گا۔[1]"

۲۔ لالہ لاجپت رائے

"اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا۔ اسکی جہاد کی تعلیم کوئی خوفناک تعلیم نہیں ہے۔

مَیں مذہب اسلام سے محبت کرتا ہوں۔ اور اس کی تعلیم کے بعض حصص کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ اور پیغمبر اسلامؐ کو دُنیا کے رجالِ عظیم میں سے سمجھتا ہوں۔ آپؐ کی سوشل اور پولیٹیکل تعلیم کا مدّاح ہوں[2]"

۳۔ مسز سروجنی نائیڈو

"اسلام وہ پہلا مذہب ہے جس نے جمہوریت کا درس بھی دیا اور اس پر عمل بھی کیا۔ جب مینارۂ مسجد سے اذان گونجتی ہے اور پرستارانِ حق مسجد میں جمع ہوتے ہیں تو دن میں پانچ بار جمہوریتِ اسلام اپنی عملی صورت میں جلوہ آرا نظر آتی ہے۔ شاہ اور دہقان دوش بدوش سربسجود ہوتے اور پکار پکار کر اللہ اکبر کہتے ہیں۔ مَیں اسلام کی اس ناقابلِ تقسیم وحدت و یگانگت سے بارہا متاثر ہوئی ہوں۔ وہ وحدت جو واقعی انسان کو بھائی بھائی بنا دیتی ہے۔ لندن میں دیکھو وہاں مصری بھی ہیں حبشی بھی۔ ہندی بھی ہیں اور ترک بھی۔ لیکن کسی کا وطن مصر ہوا تو کیا، ہند ہوا تو کیا۔ وہ سب ایک دوسرے کو اپنا بھائی تصوّر کرتے ہیں[3]"

۴۔ ڈاکٹر سر رابندرا ناتھ ٹیگور

"وہ وقت دُور نہیں جبکہ اسلام اپنی ناقابلِ انکار صداقت اور روحانیت کے ذریعہ سب کو اپنے اندر جذب کرلے گا۔ وہ زمانہ عنقریب آنے والا ہے جب کہ اسلام ہندو مذہب پر غالب آ جائے گا اور ہندوستان میں ایک ہی مذہب ہوگا۔ ممکن ہے کہ ہندومت گزشتہ زمانہ میں ایک زندہ مذہب رہ چکا ہو اور ہندوستان کے باشندے جبراً مسلمان کئے گئے ہوں۔ مگر کون کہہ سکتا ہے اور اس میں کس کو شک ہو سکتا ہے کہ مسلمان ہندوستان کو فتح کرلیں اور اس کو اپنے قبضہ میں رکھیں تو اسمیں ہندوستان کی بہتری ہوگی اور یہ امر اس کے لئے باعثِ فلاح و بہبود ہوگا[4]"

۵۔ سر ولیم میور

"تاریخ کی ورق گردانی کیجئے۔ آپ کو اس جدوجہد کی ایک مثال بھی نہ ملے گی جس طرح رسول عربیؐ نے تیرہ سال ہمت شکن حالات، دھمکیوں، تردیدوں اور

---

[3] ترجمہ از رسالہ "دی گریٹ ہیومنٹی"۔

[4] رسالہ مولوی "رسول نمبر" ۱۳۴۷ھ

[1] ترجمہ از دیو تو آف ریلیجن ... ۱۹۳۲ء ... [illegible]

تشدد کے ہوتے ہوئے اپنے عقیدہ کو غیر متزلزل رکھا۔ عوام کو توبہ کی تبلیغ کی اور اپنے ملحد شہری بھائیوں کو خدا تعالیٰ کے غضب سے ڈرایا۔ مومن مردوں اور عورتوں کی ایک مختصر سی جماعت آپ کا احاطہ کئے رہتی۔ انکی معیت میں ہر توہین اور ہر خطرے کا مقابلہ کرتے رہے۔[1]

۶۔ پروفیسر آرنلڈ

مغربی یورپ میں اسلام کس طرح پھیلا مسلمان سپاہیوں کی عظیم الشان و بے عدیل کامیابی نے اُن عیسائی باشندوں کے مذہبی اعتقاد کی بنیادیں ہلا دیں جو مسلمانوں کے محکوم بنے۔ ان عیسائیوں کو مسلمانوں کی فتوحات میں خدائی ہاتھ کام کرتا نظر آیا۔ یہ لوگ دُنیوی خوشی کو عطیہ ربانی پر محمول کرتے اور ان کے خیال میں "خدائے جنگ" یقیناً اپنے مورد الطاف خدام ہی کو فتح دیتا ہے۔ اس طرح مسلمانوں کی کامیابی ہی ان کے مذہب کی حقانیت پر دال تھی۔

بعض اوقات مسلمان قیدی بھی اپنے قید کرنیوالوں یا اپنے جیسے قیدیوں میں اسلام کی تبلیغ کرتے تھے۔ بشرقی یورپ میں اسلام کی ترویج ایک مسلمان فقیہہ نے جو گرفتار ہو کر آیا تھا کی تھی۔ اس نے اپنے قید کرنے والوں میں سے اکثر کے سامنے اسلام کی تعلیم رکھی اور ان لوگوں نے صدق دل سے اس دین کو قبول کر لیا۔ حتیٰ کہ اسلام شرقی یورپ کے باشندوں میں پھیلنے لگا۔[2]

---

[1] لائف آف محمدؐ صـ۲۲۰

[2] ترجمہ از "دی پریچنگ آف اسلام"

ے عورتیں اُن کے قدم کی خاک ہوں تو ہے بجا

(از شریمتی رام پیاری دیوی لکھنؤ)

آج روز جشن ہے پیارے رسول اللہ کا
آج وہ پیدا ہوئے تھے مسلموں کے رہنما

گو نہیں مسلم مگر ہادی ہوں ان کو جانتی
گو میں ہندو ہوں مگر محسن ہوں انکو مانتی

عورتوں پر ظلم کیا کیا کچھ نہ دُنیا میں ہوئے
ہاں مگر اُن کو محمدؐ نے بچایا ظلم سے

کی حمایت عورتوں کی مرتے دم تک آپؐ نے
تھی وصیت آخری ان کی اعانت کے لئے

عورتوں کو گھر کے کاموں میں مدد دیتے تھے آپؐ
کام عورت سے جہاد و جنگ میں لیتے تھے آپؐ

آپؐ نے تعلیم لینا فرض عورت پر کیا
عورتوں کے سر پہ یہ احساں رہے گا آپؐ کا

اے محمدؐ تُو نے ذلت سے بچایا ہے ہمیں
پریم کا اور پریت کا رستہ بتایا ہے ہمیں

کس طرح بدلہ ہو احسان محمدؐ کا ادا
عورتیں ان کے قدم کی خاک ہوں تو ہے بجا

اے محمدؐ ہے تیرا پیغام دُنیا میں بلند
چاند سورج کی طرح چمکے زمانہ میں دوچند

اے محمدؐ ہو تیری تعلیم کا ہر دل میں گھر
ہندو و مسلم میں رہیں دوستی ہو جلوہ گر

ہندو و مسلم کو یکساں یہ مرا پیغام ہے
غور سے دونوں پڑھیں انسانی اسکا نام ہے

سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مقدسہ کے متعلق حضرت زرتشت نبی کی ایک عظیم الشان پیشگوئی

(از جناب شیخ عبد القادر صاحب - لائل پور)

حضرت زرتشت کی شخصیت

حضرت زرتشت ملک ایران میں مبعوث ہونیوالے نبی تھے۔ اور زرتشتی مذہب کے بانی جسے عوام پارسی مذہب کے نام سے جانتے ہیں۔ یہ مذہب ایران کا قدیم مذہب ہے۔ یورپین محقق آپ کا زمانہ چھٹی صدی قبل مسیح بتلاتے ہیں لیکن مسلمان علماء محققین نے آپ کا زمانہ ایک ہزار سال قبل مسیح متعین کیا ہے۔ اگرچہ آپ کا ذکر قرآن مجید میں ہم نہیں پاتے لیکن صحابہ کرام نے جب ملک ایران فتح کیا تو آیت قرآنی رسلاً من قبلك منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك کے مطابق حضرت زرتشت کو ان رسولوں میں شامل سمجھا جن کا ذکر قرآن شریف میں نہیں کیا گیا۔ اور زرتشتیوں کے ساتھ اہل کتاب کا سا سلوک روا رکھا گیا۔ اس تاریخی صداقت کا اقرار جیمس ڈارمیسٹر نے ژند اوستا کے ترجمہ کی تمہید میں کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو Introduction to Vendidad (Page, 69.

زرتشتی صحیفے

زرتشتی مذہب کے الہامی صحیفوں کے دو اہم حصے ہیں ایک دفتر اوّل جس میں "ژند اوستا" شامل ہیں اور دوسرا دفتر "دساتیر" کے نام سے موسوم ہے۔ دساتیر دستور کی جمع ہے یعنی شرائع اور قوانین۔

دساتیر میں ایک پیشگوئی

دساتیر میں ساسان اوّل کے نامہ میں حضرت زرتشت کی ایک پیشگوئی درج ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بروز کامل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد مبارک کے ذریعہ نہایت صفائی سے پوری ہوئی۔ یہ ایک عظیم الشان اور فوق القدرت پیشگوئی ہے جو خدائے علیم وخبیر کی ہستی کا ناقابل انکار ثبوت ہے۔ یہ پیشگوئی حضرت ساسان اوّل کو جو دین زرتشت کے مجدد تھے حضرت زرتشت سے پہنچی۔ جس پیشگوئی کا ذکر وہ اپنے نامہ مندرجہ دساتیر میں کرتے ہیں۔ اس کی حضرت ساسان اوّل نے بعض حصوں کی وضاحت بھی کی ہے۔ اصل پیشگوئی پہلوی زبان میں ہے جس کا ترجمہ ہر سطر کے نیچے فارسی زبان میں موجود ہے۔ دساتیر کے نسخہ سے جو کہ ناصر الدین قاچار شاہ ایران کے عہد میں طبع ہوا۔ پیشگوئی بزبان فارسی درج ذیل ہے:۔

"چون چنین کارہا کنند از تازیان مردے

پیدا شود کہ از پیروانِ او دیہیم و تخت و کشور و آئین ہمہ برا فتد و شوند سرکشاں زیر دستاں بینسند بجائے پیکرگاہ و آتشکدہ خانہ آباد بے پیکر شدہ نماز بروں سوے"

یعنی جب ایسے کام ایرانی کریں گے (یعنی شریعت پر عمل چھوڑ دینگے اور ان میں ہر قسم کی برائیاں پھیل جائیں گی) تو عربوں میں ایک مردِ خدا پیدا ہوگا جس کے ماننے والوں کے ہاتھوں سے ایران کا تاج و تخت سلطنت اور قانون سب کا سب درہم برہم ہو جائے گا۔ (اور جن کے سامنے) سرکش اور جابر لوگ مغلوب ہو جائیں گے اور وہ بتکدہ یا آتشکدہ کی بجائے خانہ آباد یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کر کے اسکی طرف نماز پڑھیں گے اور اس کو اپنا قبلہ بنائیں گے"

حضرت ساسان اوّل کی پیشگوئی

اس کے بعد حضرت ساسان اس پیشگوئی کے آخری حصہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"خانہ کہ در تازیاں است در ریگ ہا مادر آں ساختہ آباد است و در آں پیکرہائے اختراں بود گوید شود ۔ آں خانہ نماز بروں سود بر دار ند از و پیکر"

یعنی ریگ زارِ عرب میں حضرت ابراہیمؑ کا بنا کردہ بیت خانہ ہے جس میں ستاروں کے بُت رکھ دیئے ۔۔۔ کی طرف منہ کر کے وہ نماز پڑھیں گے اور اس سے بُت اُٹھا دیں گے"

اس وضاحت کے بعد حضرت زرتشت کی اصل پیشگوئی یوں شروع ہوتی ہے :۔

"۔۔۔۔۔ و باز ستانند جائے آتشکدہ ہائے مدائن و گردہائے آں و توس و بلخ و جاہائے بزرگ و آئین گر ایشاں مردے باشد سخنور و سخن او درہم پیچیدہ"

یعنی اور وہ (نبی عربیؐ کے پیرو) آتشکدوں کی جگہیں لے لیں گے یعنی ایران پر قابض ہو جائیں گے ۔ مدائن اور اس کے نواحی ملاقے توس و بلخ اور مقامات مقدسہ پر قبضہ کریں گے اور ان کا شارع (نبی) کلام والا ہوگا اور اس کا کلام بلیغ ہوگا ۔ (دساتیر ص۱۸۵)

پیشگوئی کا مصداقِ حقیقی

یہ پیشگوئی اپنی پوری شان اور جلال سے پوری ہوئی ۔ دُنیا نے دیکھا کہ ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں ایک عربی مردِ خدا اُٹھا جس نے دس ہزار قدوسیوں کے ہمرکاب مکہ معظمہ کو فتح کیا اور اس مقدس گھر کو جو دنیا کے لئے توحید کا سرچشمہ تھا مگر سب سے بڑا بتکدہ بن چکا تھا بُتوں سے پاک کر دیا ۔ اور اسی تازی مردِ خدا پر اس مقدس گھر یعنی خانہ کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم نازل ہوا اور اس پر نازل ہونیوالا کلام نہایت فصیح اور بلیغ تھا اور اس طرح حضرت زرتشت علیہ السلام کی پیشگوئی کا ایک حصہ نہایت صفائی سے پورا ہوا ۔

عظیم الشان فتوحات کی پیشگوئی

زرتشت علیہ السلام کی پیشگوئی کا دوسرا حصہ فتوحات

کے بارہ میں ہے یعنی موعود نبی کے پیرو ایران کے تاج و تخت سلطنت اور قانون کے مالک بن جائیں گے ۔ آتش کدوں کی جگہیں یعنی ایران وغیرہ ان کے قبضہ میں چلی جائیں گی جس کے باعث مدائن اور اس کا ارد گرد ان کے ماتحت ہوگا اور توش و بلخ اُن کے زیرِ اقتدار ہوں گے ۔ قوموں کے مقاماتِ مقدسہ ان کے قبضہ میں آجائیں گے پیشگوئی کا یہ حصہ بھی نہایت شان و شوکت اور جلال سے پورا ہوا۔

رُوم اور ایران کی فتح کی پیشگوئی

حضرت زرتشت کی پیشگوئی میں جن فتوحات کا ذکر ہے نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فتوحات کے بارہ میں پہلے سے ہی صحابہ کرام کو خوشخبری سُنا دی ۔ جبکہ حالت یہ تھی کہ کفار کے ظلم وستم کے باعث آپؐ اور آپؐ کے جاں نثار اپنے وطن مالوف کو خیر باد کہہ کر مدینہ منورہ میں پناہ گزین تھے ! اور نہایت بے سروسامانی اور کسمپرسی کی حالت تھی ۔ اس کے مقابل پر رومی اور ایرانی سلطنتیں دنیا کی سب سے بڑی سلطنتیں شمار ہوتی تھیں ۔ وہی تمام قابلِ ذکر دُنیا پر چھائی ہوئی تھیں ۔ دُنیا میں صرف دو ہی تمدن تھے ۔ آدھی دُنیا پر رُومی تمدن کا پرچم لہرا رہا تھا اور آدھی دُنیا پر ایرانی تمدن چھایا ہوا تھا ۔ ملک عرب جس میں آپؐ کا ظہور ہوا بالکل کسمپرسی اور تاریکی کے عالم میں ڈوبا ہوا تھا ۔ دُنیا کے تمدن سے بے بہرہ ، دُنیا کی تہذیب سے الگ تھلگ ۔ اور وہ بھی آپ کی حمایت پر نہیں تھا بلکہ آپؐ کے خون کا پیاسا ، آپؐ کے جاں نثاروں کی جان کا لاگو ۔ ناظرین ذرا غور کریں ۔ یہ حالات ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احزاب میں ایک خندق کے پتھر کو توڑتے ہوئے جبکہ کدال کی شدید ضرب کے ساتھ پتھر سے شعلہ بلند ہوا اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہیں اور فرماتے ہیں مجھے مملکتِ شام کی کنجیاں دی گئی ہیں اور خدا کی قسم شام کے سُرخ محلات (یعنی محلاتِ قیصر) میری آنکھوں کے سامنے ہیں ۔ پھر آپؐ نے دوسری ضرب لگائی جس پر ایک روشنی نمودار ہوئی ۔ آپؐ نے جوش سے اللہ اکبر کہا اور فرمایا ۔ اس دفعہ مجھے مملکتِ فارس (سلطنتِ ایران) کی کنجیاں دی گئیں ۔ اور مدائن (دارالسلطنت ایران) کے سفید محلات مجھے نظر آرہے ہیں ۔ تیسری دفعہ کدال مارنے پر پھر شعلہ بلند ہوا اور آپؐ نے فرمایا ۔ اب مجھے یمن کی کنجیاں دی گئیں اور خدا کی قسم صنعا کے دروازے میری آنکھوں کے سامنے پھر رہے ہیں ۔ اس دفعہ وہ پتھر بالکل شکستہ ہو کر گر گیا ۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جبرائیل نے مجھے بتلایا ہے کہ میری اُمت ان تمام ممالک پر غالب آئے گی ایسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی ہے جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں گزشتہ شب سو رہا تھا کہ ناگاہ میرے سامنے دُنیا کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھ پر رکھ دی گئیں ۔ (بخاری کتاب التعبیر) ۔

اب میں پھر حضرت زرتشتؑ کی پیشگوئی کی طرف آتا ہوں جو مسلمانوں کی فتوحات کے بارہ میں ہے ۔ وہ

پیشگوئی جیسا کہ میں ذکر کر چکا ہوں یہ ہے کہ نبی عربی کے پیرو مدائن پر قبضہ کر لیں گے اور سارے ایران پر قابض ہو جائینگے ایران کا تاج و تخت سلطنت اور قانون سبھی کچھ مسلمانوں کے قبضہ میں آ جائے گا۔ توس اور بلخ اور قوموں کے مقامات مقدسہ پر مسلمان چھا جائیں گے۔ تاریخی شواہد کی روشنی میں اس پیشگوئی کو دیکھیں آپ کا دل لذتِ ایمان سے مسرور اندوز ہوگا۔

فتح مدائن

سنہ ۱۶ ہجری المقدس یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مدائن فتح ہوا جو ایران کا دار السلطنت تھا۔ اسلامی لشکر حضرت سعدؓ کی کمان میں جب مدائن میں کسریٰ کے قصرِ ابیض (سفید محل) کے سامنے پہنچا تو حضرت سعدؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور فرمایا آج رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پوری ہوئی۔ یہ اسی پیشگوئی کی طرف اشارہ تھا جو غزوہ احزاب میں خندق کھودتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے فارس کی کنجیاں دی گئیں۔ اور مدائن کے سفید محلات مجھے نظر آ رہے ہیں۔ پھر حضرت سعدؓ کسریٰ کے محل قصرِ ابیض میں داخل ہوئے تو اُن کی زبان سے بے اختیار یہ آیات نکلیں جو فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کی غرقابی کے متعلق ہیں کَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ۔ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ (سورہ دخان) کتنے باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور عزت کے مقام انہوں نے چھوڑے اور ایسی نعمتیں جن میں وہ خوش تھے۔ اور ان کا وارث ہم نے دوسرے لوگوں کو بنایا۔ پھر قصرِ ابیض میں جہاں کسریٰ کا تخت تھا منبر رکھا گیا۔ جس منبر پر دار السلطنت ایران میں پہلی نماز جمعہ ادا کی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ سراقہ سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا۔ اے سراقہ! میں تیرے ہاتھ میں کسریٰ کے سونے کے کنگن دیکھتا ہوں۔ چنانچہ کسریٰ کے سونے کے کنگن لائے گئے جو کہ حضرت عمرؓ نے سراقہ کے ہاتھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ پیشگوئی کو ظاہری طور پر پورا کرنے کے لئے پہنائے۔

ایران کی مکمل تسخیر

حضرت زرتشتؑ کی پیشگوئی میں تھا "از پیروان او دیہیم و تخت و کشور و آئین ہمہ برافتد" کہ نبی عربیؐ کے پیرو ایران کے تاج و تخت، سلطنت اور قانون سبھی کچھ کے مالک بن جائیں گے۔ چنانچہ ایک وقت آیا کہ ایرانی سلطنت بکلی مسلمانوں کے ہاتھ آ گئی۔ ایرانی سلطنت کے خاتمہ پر حضرت عمر فاروقؓ نے جو بصیرت افروز خطبہ پڑھا اس کے چند الفاظ درج ذیل ہیں:-

> "آج مجوسیوں کی حکومت ختم ہو چکی ہے .... مسلمانو! خدا تعالیٰ نے تم کو مجوسیوں (یعنی زرتشتیوں) کی زمین، مجوسیوں کے ملک اور مجوسیوں کے اموال و املاک کا مالک بنا دیا ہے تا کہ وہ اب تمہارے اعمال و افعال کو جانچے پس مسلمانو! تم اپنی حالت میں تغیر نہ ہونے دینا ورنہ خدا تعالیٰ تم سے بھی حکومت چھین لے گا اور کسی دوسری قوم کو

دے دیگا"

توس اور بلخ پر قبضہ

حضرت زرتشت کی پیشگوئی میں یہ بھی تھا کہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو توس اور بلخ پر قابض ہوجائیں گے۔ یہ پیشگوئی یوں پوری ہوئی کہ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں ملک ایران میں بغاوت رونما ہوئی۔ اس بغاوت کو فرو کرنے کے سلسلہ میں ایران کی سرحدی اطراف میں مزید فتوحات ہوئیں۔ مملکتِ اسلام اور زیادہ وسیع ہوگئی۔ چنانچہ توس اور بلخ پر بھی اسلامی جھنڈا لہرانے لگا۔ پھر حضرت زرتشت کی پیشگوئی کے مطابق خدا تعالیٰ نے قوموں کے مقاماتِ مقدسہ اپنی مقدس قوم کی تحویل میں منتقل کر دیئے۔

الغرض دُنیا نے دیکھ لیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے دلوں میں مشعلِ ایمان دبائے ہوئے تمام زمین پر گھوم نکلے۔ ایک نئے تمدن اور نئی سلطنت کی بنیاد ڈالی گئی۔ حضرت زرتشتؑ کی پیشگوئی کے مطابق مقدس نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار اُٹھے اور ایران جیسی سرکش اور زبردست حکومت پر غالب آ گئے۔ خدائے قدوس کی تحمید سے ایران معمور ہوا۔ آتش پرستوں کے آتش کدے سرد پڑ گئے۔ محلاتِ کسریٰ کے سر بفلک کلس اسلامی پرچم کے سامنے سرنگوں ہو گئے۔ پھر وہ اُٹھے اور روم جیسی وسیع و عریض سلطنت پر قابض ہو گئے اور شام کے سُرخ محلات پر چھا گئے۔ روم و ایران کی سلطنتیں ریزہ ریزہ ہو کر گر گئیں۔ "دشوند سرکشان زیر دستان" کی پیشگوئی کے مطابق قیصر و کسریٰ کی سرکش اور زبردست سلطنتیں بے سروسامان اور بادیہ نشین مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوئیں۔ جس قوم کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کے مطابق تمام دنیا کے خزانوں کے منہ کھول دیئے گئے اور وہ تمام دنیا پر چھا گئے۔ جابر اور ظالم بن کر نہیں بلکہ رحمت کی گھٹا بن کر۔ کیونکہ وہ سراسر رحمت تھے وہ برسنے والے بادلوں کی طرح تھے۔ ان کے ذریعہ سے زمین اللہ تعالیٰ کی حمد اور سبوحیت سے بھر گئی۔ یہ اسلام کی شانِ جلالی کا ظہور تھا۔ جس کی خبر حضرت زرتشتؑ نے دی اور پوری ہوئی۔ اسلام کی شان جمالی کے ظہور کے لئے حضرت زرتشت کی پیشگوئی کا دوسرا حصہ ملاحظہ ہو جو کہ اسی پیشگوئی کے تسلسل میں ہے سے

ہو چکا اسلام کی شانِ جلالی کا ظہور
ہے مگر باقی ابھی شانِ جمالی کا ظہور

پیشگوئی کا دوسرا حصہ:
فارسی الاصل موعود کا ذکر

ایک شبہ کا ازالہ

حضرت زرتشتؑ کی اس عظیم الشان پیشگوئی کا ایک حصہ پیش کیا جا چکا ہے جس میں نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی پیشگوئی اور آپؐ کے ماننے والوں کی فتوحات کا ذکر ہے۔ اب پیشگوئی کا دوسرا حصہ

درج کیا جاتا ہے جو کہ اسی تسلسل میں ہے۔ لیکن پیشتر ازیں میں ایک شبہ کا ازالہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ ممکن ہے اس عظیم الشان پیشگوئی پر پردہ ڈالنے کے لئے کوئی کہہ دے کہ مسلمانوں نے جب سلطنتِ ایران کو فتح کیا تو اپنے زمانۂ حکومت میں یہ پیشگوئی دساتیر میں داخل کر دی۔ اس وہم کا توڑ اور اس شبہ کا جواب پیشگوئی کے دوسرے حصہ میں موجود ہے۔ پیشگوئی کے دوسرے حصہ میں نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہزار سال بعد دینِ اسلام میں ایک بہت بڑی تفرقہ اندازی کا ذکر ہے اور پھر واضح طور پر ایک فارسی الاصل موعود کی آمد کی پیشگوئی ہے۔ اور بعض فارسی الاصل خلفاء کا بھی ذکر ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر پیشگوئی کا ایک حصہ اسلامی فتوحات کے زمانہ میں داخل کر دیا گیا تو دوسرے حصہ کے متعلق کیا کہا جائے گا۔ ماننا پڑے گا کہ الہام الٰہی کے جس سرچشمہ سے پیشگوئی کا دوسرا حصہ نکلا اور پورا ہوا اُسی سرچشمہ اور منبع سے پیشگوئی کا پہلا حصہ نکلا اور پورا ہوا۔ اس کے بعد میں دساتیر سے ساسان اوّل کے نامہ سے پیشگوئی کا دوسرا حصہ درج ذیل کرتا ہوں۔

اسلام میں تفرقہ کی پیشگوئی

"چوں ہزار سال تازی آئین را گذرد
چناں شود آں آئین از جدائی ہا کہ اگر
با آئین گر نمائیند نہ دانندش"

یعنی جب شریعتِ عربی پر ہزار سال گزر جائیں گے تو تفرقوں سے دین ایسا ہو جائے گا کہ اگر اُسے خود شارع علیہ السلام کے سامنے بھی پیش کیا جائے گا تو وہ بھی اُسے نہیں پہچان سکیں گے۔ آگے آتا ہے:-

"درافتند درہم و کنند خاک پرستی و دد بوذ
جدائی و دشمنی درآنہا افزوں شود"

یعنی پھر اس نبی عربی کی اُمت کے اندر انشقاق و مخاصمت پیدا ہو جائے گا اور روز بروز اختلاف اور باہمی دشمنی میں بڑھتے چلے جائیں گے۔ ان کے اندر خاک پرستی پیدا ہو جائیگی۔

فارسی الاصل کی آمد

"پس شما یابید خوبی را کہ مانند یکدم از ہمین
خرج انگیزم از کسان تو کسے و آئین و آب
تو بہ تو رسانم و پیغمبری و پیشوائی از فرزندان
تو برنگیرم"

یعنی جب ایسا ہو گا تو پھر تم کو خوشخبری ہو کہ اگر زمانہ میں ایک دن بھی باقی رہ جائے گا تو تیرے لوگوں میں سے (یعنی فارسی الاصل) ایک شخص کو کھڑا کروں گا جو تیری گم شدہ عزت و آبرو کو واپس لائے گا۔ اور اسے دوبارہ قائم کریگا۔ پھر پیغمبری و پیشوائی تیری نسل سے نہیں اٹھاؤں گا۔

کتاب زرتشت نامہ کی پیشگوئی

اسی طرح زرتشتیوں کی ایک کتاب زرتشت نامہ ہے جس میں صرف حضرت زرتشت کے سوانح حیات ہیں۔ اس کتاب کے آخر میں لکھا ہے کہ قربِ قیامت میں ایک پیغمبر ہوگا جو زرتشت کا بیٹا ہوگا۔ شیطان کے زور کو جو آخری زمانہ میں شدت پکڑ جائے گا توڑے گا اور مذہب کا زبرد

زندہ کریگا۔ اور ژند اوستا کا ایک حصہ اس پر نازل ہوگا۔ یعنی ژند اوستا کی ایسی تعلیمات کو جو وقتی نہیں ہیں اور قائم رہنے والی ہیں ان کی حقیقی شکل میں پیش کیا جائیگا۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا حوالہ

انسائیکلوپیڈیا میں حضرت زرتشتؑ کے بیان میں ایک پیشگوئی مندرج ہے کہ حضرت زرتشت کے تین ہزار سال بعد ایک نبی پیدا ہوگا جو حضرت زرتشت کی نسل سے ہوگا یعنی وہ موعود ایرانی النسل یا دوسرے لفظوں میں فارسی الاصل ہوگا۔

نسلِ انسانی کے لئے نجات دہندہ

اس وقت میرے سامنے جوزف گیر کی کتاب "How the great religions began" ہے یعنی "مذاہب عالم کی ابتداء کیسے ہوئی؟" اس کتاب میں حضرت زرتشتؑ کے حالات میں لکھا ہے کہ اس مذہب کے معلمین قدیم نے یہ بشارت دی ہے کہ آخری زمانہ میں نسل انسانی کے لئے ایک نجات دہندہ اور مسیحا حضرت زرتشت کے تین ہزار سال بعد مبعوث ہوگا جس کا صفاتی نام "سایوشانت" یعنی نجات دہندہ اور شفیع بتایا گیا ہے۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ زرتشت کے تابعین نے یہ خبر دی:-

"And three thousand years after his death a son of Zoroaster would appear on earth. This son of Zoroaster would be the 'Sayoshant, the Messiah, the Saviour of Mankind." P. 137

کہ "زرتشت کے تین ہزار سال بعد اس کا ایک بیٹا دنیا میں ظاہر ہوگا۔ یہ موعود سایوشانت مسیحا اور دنیا کے لئے نجات دہندہ ہوگا"۔

اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھا ہے کہ زرتشتیوں کا موعود یہود کے موعود مسیحا کی طرح قومی ہیرو نہیں۔ بلکہ زرتشتی یہ مانتے ہیں کہ ان کا موعود تمام نسل انسانی کو شیطانی طاقتوں سے نجات دینے کے لئے مبعوث ہوگا (ص۱۰۱)

فارسی الاصل مُصلح ربّانی

حضرت زرتشتؑ کی مذکورۃ الصدر پیشگوئیوں سے اظہر من الشمس ہے کہ آخری زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین کی حفاظت کیلئے نسلِ فارسی کا ایک شہسوار اٹھے گا۔ جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین کو زندہ کریگا اور آپکی شریعت کو قائم کریگا۔ یہ پہلوانِ ربِ جلیل "شیطانی طاقتوں" سے نبرد آزما ہوگا اور انکو فنا کر دیگا۔ احادیث میں بھی ہم آخری زمانہ میں ایک فارسی الاصل موعود کے لئے پیشگوئی پاتے ہیں چنانچہ جب سورۃ جمعہ نازل ہوئی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانیہ کا ذکر ہے تو صحابہ کرام کے دریافت کرنے پر کہ یہ دوسری جماعت کون لوگ ہیں جو آپکے صحابہ کہلائینگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا لوکان

الایمان معلقاً بالثریا لنالہ رجل من ابناء فارس۔

اگر ایمان آسمان پر بھی جا چکا ہوگا تب بھی ابنائے فارس میں سے ایک شخص اسکو واپس لائے گا۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانیہ کا ظہور اور ایمان کا دوبارہ احیاء ایک فارسی الاصل موعود کے ذریعہ مقدر تھا چنانچہ اس زمانہ میں حضرت میرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فارسی الاصل موعود ہونیکا دعویٰ کیا۔ آپ ایسے زمانہ میں مبعوث ہوئے جبکہ دین اسلام اور مسلمانوں کا نقشہ ہو بہو وہی تھا جو حضرت زرتشت نے پیش کیا۔ تفرقوں نے مسلمانوں کا بُرا حال کر دیا۔ شیرازۂ اسلام بکھر گیا۔ دینِ اسلام کی شکل کچھ اس طرح مسخ ہو گئی کہ اگر خود شارع علیہ السلام کے حضور ان مولویوں کا دین پیش کیا جائے تو وہ بھی اسے ہرگز نہ پہچان سکیں۔

حضرت مسیح موعودؑ کے فارسی الاصل ہونے کے دلائل

(۱) احادیث میں آپ کو فارسی الاصل موعود قرار دیا گیا (۲) آپ کے الہامات میں بھی آپکو نسل فارسی میں سے بتایا گیا (۳) آپ کے نسبنامہ سے بھی آپکا فارسی الاصل ہونا ظاہر و باہر ہے آپکے مورث اعلیٰ حاجی برلاس ہیں جو ایرانی النسل تھے (۴) اور پھر سب سے بڑھ کر قرآن مجید سے بھی آپکا فارسی الاصل ہونا ثابت ہے اور وہ اس طرح کہ ذوالقرنین کے واقعہ کو قرآن مجید میں بطور پیشگوئی بیان کیا گیا ہے تا پہلے ذوالقرنین کا ذکر کر کے ایک دوسرے ذوالقرنین کی خبر دی جائے اور اسمیں حکمت یہ تھی کہ ایک ذوالقرنین نے دنیوی طور پر مادی سامانوں سے یاجوج ماجوج کے حملوں کی روک تھام کی تھی تو ایک دوسرے ذوالقرنین کیلئے انکے مذہبی حملوں کو جو کہ آخری زمانہ میں ہونیوالے تھے مادی ذرائع سے نہیں بلکہ روحانی ذرائع سے روکنا مقدر تھا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلا ذوالقرنین کون تھا؟ تاریخی شواہد مندرجہ تفسیر کبیر پڑھنے کے بعد یہ امر ایک ثابت شدہ حقیقت معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین سے مراد قرآن کریم میں شاہ فارس خورس ہے جو فارسی النسل تھا اور جو صاحب الہام اور اللہ تعالیٰ کا مقبول بندہ تھا جسکو بائیبل میں "خداوند کا مسیح" کہا گیا (یسعیاہ ۴۵ باب) اسی طرح دوسرے ذوالقرنین اس زمانہ کے مسیح موعود ہیں اور جو پہلے ذوالقرنین کی طرح فارسی الاصل ہیں۔ آپ کو الہام میں بھی خورس یا خسرو کہا گیا۔

چوں دورِ خسروی آغاز کردند ٭ مسلماں را مسلماں باز کردند

فارسی الاصل کی نسل کے متعلق پیشگوئی

حضرت زرتشت کی پیشگوئی میں ایک اور بات ہے جو کہ قابل غور ہے اور وہ یہ کہ جب موعود فارسی الاصل آئیگا تو اسکے بعد نسل فارس سے پیشوائی یعنی خلافت اور نبوت کا اجراء ہوگا۔ پیشگوئی کے الفاظ یہ ہیں: "پیغمبری و پیشوائی از فرزندان تو برنگیرم"۔ احادیث میں بھی جہاں ایک فارسی الاصل موعود کا ذکر ہے وہاں ایک سے زیادہ فارسی الاصل وجودوں کا بھی ذکر ہے جو کہ دین کو زندہ کرینگے"۔ ان سب روایات کو ملا کر معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاص موعود شخص جو فارسی الاصل ہوگا آخری زمانہ میں ایمان کے اُٹھ جانے کے بعد پھر ایمان کو واپس لائیگا اور اسکے اس کام میں بعض اور فارسی الاصل لوگ بھی اسکے مؤید ہونگے" (تفسیر کبیر ص۹۹) حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی فرماتے ہیں: "دوسرا طریق انزالِ رحمت کا ارسالِ مرسلین و نبیین و ائمہ و خلفاء ہے تا انکی اقتداء و ہدایت سے لوگ راہ راست پر آجائیں اور انکے نمونہ پر اپنے تئیں بنا کر نجات پائیں۔ سو خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اس عاجز کی اولاد کے ذریعہ سے یہ دونوں شق ظہور میں آجائیں" (سبز اشتہار ص۱۹) پس حضرت زرتشتؑ کی پیشگوئی کا ایک حصہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھا جو پورا ہو گیا دوسرا حصہ آپ کی بعثتِ ثانیہ کے مظہر فارسی الاصل موعود کیلئے تھا جو پورا ہوا اور تیسرا حصہ فارسی الاصل موعود کی نسل میں خلافت کے بارہ میں تھا جو کہ پورا ہو رہا ہے ٭

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقناطیسی شخصیت

(محترم جناب شیخ محمد احمد صاحب پانی پتی مولوی فاضل)

موجودہ دَور کے مشہور عربی مؤرخ "عمر ابو النصر" نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے متعلق ایک کتاب "محمد النبی العربی" لکھی ہے جس میں ایک باب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت کے متعلق بھی وقف کیا ہے۔ اس کے پڑھنے سے نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ کا اجمالی نقشہ یکجائی طور پر سامنے آجاتا ہے بلکہ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اسلام کے پُرامن مذہب ہونے کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو نظریہ پیش کیا تھا اب اسے عربی مصنفین بھی اپنا رہے ہیں۔ ذیل میں اس باب کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات اور خصائل وصفات کا کوئی گوشہ نہیں ہے جو لوگوں کی نظروں سے مستور ہو اور جس کا بیان کتب سیر میں موجود نہ ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خُلق کے لحاظ سے تمام بنی نوع انسان میں افضل تھے۔ نبوت سے پیشتر بھی آپ مکہ میں صادق اور امین کے لقب سے مشہور تھے۔ نبوت ملنے کے بعد اگرچہ قریش مکہ نے آپ کی مخالفت کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی لیکن اس کے باوجود اگر کسی شخص کو اپنی امانت رکھوانی ہوتی تھی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس رکھواتا تھا۔

بیوی سے زیادہ محرمِ راز اور کوئی وجود نہیں ہو سکتا۔ انسان کا ہر صواب اور ہر عیب بیوی کے سامنے آئینہ کی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق وعادات کے متعلق آپ کی بیوی حضرت خدیجہؓ کی شہادت سے بڑھ کر اور کوئی شہادت معتبر نہیں ہو سکتی۔ جس وقت آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ مضطرب اور خائف ہو کر گھر تشریف لائے۔ آپ کی اس حالت کو دیکھ کر حضرت خدیجہؓ نے فرمایا:۔

كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ أَبَدًا۔ إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ۔

"خدا تعالیٰ کی قسم! اللہ آپ کو ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ آپ اپنے رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتے ہیں۔ بیکسوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ غریبوں کی مدد کرتے ہیں مہمانوں سے تواضع کے ساتھ پیش آتے

ـیا اور لوگوں کی جائز استعانت میں
ان کے معین ہوتے ہیں۔

آپؐ نہایت پاکیزہ طبع اور نیک اطوار تھے۔ نہایت
ہی حیادار تھے۔ احادیث میں لکھا ہے کہ آپؐ میں کنواری
لڑکیوں سے بھی زیادہ شرم تھی۔ ہمیشہ اپنی نظریں نیچی
رکھتے تھے۔ آپؐ کے صحابہؓ کا بیان ہے کہ اگر آپؐ کسی
چیز کو ناپسند کرتے تھے تو زبان سے کچھ نہیں فرماتے
تھے لیکن ناپسندیدگی کا اثر آپؐ کے چہرے سے
ظاہر ہو جاتا تھا۔

آپؐ نہایت وسیع القلب، ہنس مکھ، خوش خلق،
نرم دل اور رشتہ داروں سے نیک سلوک کرنیوالے
تھے۔ لوگوں کی تالیفِ قلوب کا آپؐ کو بڑا خیال
رہتا تھا۔ کبھی کوئی ایسی بات نہ کرتے تھے جو کسی کا دل
دکھانے والی ہو۔ اس میں مسلمان اور کافر کی کوئی
تخصیص نہ تھی۔ باہر سے آنے والے وفود اور قبائل کے
سرداروں کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ اپنے صحابہؓ سے
ایسے حسنِ سلوک سے پیش آتے تھے کہ کسی شخص کو بھی یہ
خیال پیدا نہ ہوتا تھا کہ آپؐ اس شخص سے کسی دوسرے
شخص کے مقابلے میں کمتر سلوک کر رہے ہیں۔ اگر
کوئی شخص کسی کام کے لئے آپؐ کو اپنے پاس بٹھا لیتا
یا آپؐ سے باتیں کرنے لگتا تو بڑے غور سے اس کی
باتیں سنتے رہتے اور جب تک وہ شخص خود حضورؐ کے
پاس سے نہ چلا جاتا یا آپؐ سے باتیں کرنا بند نہ کر دیتا
حضورؐ وہیں بیٹھے رہتے۔ اور کبھی اپنی زبان سے یہ
نہ فرماتے کہ میرا وقت کیوں ضائع کر رہے ہو۔ آپؐ
کسی سائل کی حاجت کو رد نہیں فرماتے تھے۔ اگر آپؐ
کے پاس اس وقت کچھ نہ ہوتا تو مناسب الفاظ میں معذرت
کر دیتے لیکن کبھی کسی سائل کو جھڑکتے نہ تھے۔ آپؐ کی
زبان سے کبھی کسی شخص کے لئے کوئی بُرا یا سخت لفظ نہیں
نکلا۔ آپؐ مغلوب الغضب اور دوسرے لوگوں کے عیوب
بیان کرنے والے نہ تھے۔ بے جا طور پر کسی کی تعریف
نہ کرتے۔ جو شخص اپنی حاجت لیکر آپؐ کی خدمت میں حاضر
ہوتا آپؐ حتی المقدور اس کی حاجت ضرور پوری کر دیا
کرتے تھے۔ صدقہ قبول نہیں کرتے تھے لیکن تحفہ قبول
کر لیا کرتے تھے مگر کسی مناسب موقع پر اس کا بدلہ بھی
اُتار دیتے تھے۔ آپؐ کے خادم حضرت انسؓ فرماتے ہیں:-

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی دس سال تک خدمت کی ہے لیکن حضورؐ
نے اس عرصہ میں ایک بار بھی مجھے بُرا بھلا نہ
کہا۔ میرے کسی کام پر آپؐ نے یہ نہ فرمایا کہ
تم نے یہ کام کیوں کیا۔ اور اگر میں کوئی کام
نہ کر سکا تو یہ نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں
نہیں کیا۔"

آپؐ خشک مزاج نہ تھے۔ اپنے صحابہؓ سے پاکیزہ
مزاح بھی فرمایا کرتے تھے اور اُن سے بے تکلفی
سے باتیں بھی کیا کرتے تھے۔ ہر شخص کی فریاد کو بڑی توجہ
سے سنتے تھے خواہ وہ غلام، لونڈی اور مسکین ہی
کیوں نہ ہو۔ مریضوں کی عیادت کے لئے مدینہ کے
آخری حصہ تک چلے جایا کرتے تھے۔ کسی کا جائز عذر
قبول کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ ظاہر نہیں کرتے تھے۔

جس شخص سے بھی ملتے تھے اسے پہلے سلام کرتے تھے۔ جو شخص بھی آپؐ کے پاس آتا اس کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ اکثر اوقات آنے والے کیلئے اپنا کپڑا بچھا دیتے یا وہ چٹائی اس کے لئے خالی کر دیتے جو آپؐ کے نیچے بچھی رہتی تھی۔ اگر وہ شخص اس پر بیٹھنے سے انکار کرتا تو بڑے اصرار سے اس کو اس پر بٹھاتے تھے۔ آپؐ ہر وقت خوش و خرم اور متبسم رہتے تھے۔ صفائی اور پاکیزگی کا آپؐ کو بے حد خیال رہتا تھا۔ آپؐ حد درجہ متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ کبر اور فخر و غرور آپؐ میں نام کو بھی نہ تھا۔ جس وقت نجاشی شاہ حبشہ کا وفد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُن لوگوں کی مہمان نوازی کے لئے حضورؐ خود اُٹھ کھڑے ہوتے۔ جب صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضور! ہم لوگ ان کی خدمت کے لئے کافی ہیں آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں تو حضورؐ نے فرمایا۔

"ان لوگوں نے ہمارے لوگوں کی تعظیم و تکریم کی۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ خود ہی ان کی خدمت کروں۔"

سبحان اللہ۔ اخلاق کا کیسا بہترین نمونہ تھا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھایا۔

ایک مستشرق لکھتا ہے :-

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کئی بیویاں تھیں لیکن وہ سلیمان نبی اللہ کی ان بیویوں سے زیادہ نہ تھیں جن کا ذکر بائیبل میں ہے سلیمانؑ کی بیویاں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیویوں سے کئی گنا زیادہ تھیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر بیویاں بیوہ تھیں۔ آپؐ نے کل تیرہ شادیاں کیں۔ ان میں سے بعض تو آپؐ کے صحابہؓ کی بیٹیاں تھیں اور بعض جزیرۂ عرب کے سرداروں کی لڑکیاں۔ اپنے صحابہؓ کی بیٹیوں سے شادی کرنے کی غرض یہ تھی کہ ان کی تالیفِ قلوب کی جائے۔ اور ان کے ایمانوں کو پختہ کیا جائے اور مختلف قبائلِ عرب کی لڑکیاں اپنے حرم میں اسلئے لاتے تھے کہ اس طرح ان قبیلوں سے تعلقات پیدا کئے جائیں۔ اور انہیں اسلام کی طرف مائل کیا جائے۔ چنانچہ اس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا اور کئی قبائل محض اسی وجہ سے اسلام لے آئے کہ ان کے قبیلہ کے سردار کی لڑکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں تھی۔

اُن معجزات کے علاوہ جو خدا تعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص طور پر دکھائے تھے اور کسی خارق عادت واقعہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی طرف منسوب نہیں کیا۔ اگر کوئی شخص اسے آپؐ کی طرف منسوب کر بھی دیتا تھا تو آپؐ سختی سے اس کی تردید کر دیتے۔ اس امر کی وضاحت کے لئے ہم ایک واقعہ بطور مثال عرض کرتے ہیں :-

حضرت ماریہ قبطیہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیمؓ پیدا ہوئے۔ دودھ پلانے کے لئے آپؐ نے انہیں ام بردہ خولہ بنت منذر بن زید انصاری کے سپرد کیا اور اس کے معاوضہ میں انہیں کھجور کے چند درخت دیئے۔ ام بردہ مدینہ کی ایک

نواحی بستی میں رہتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر وہاں جاتے۔ ابراہیمؓ کو گود میں لیتے اور پیار کرتے۔ شیر خوارگی کی حالت ہی میں وہ بیمار ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپؐ تشریف لائے۔ اس وقت ابراہیمؓ پر نزع کی حالت طاری تھی۔ آپؐ نے انہیں گود میں اٹھا لیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ جب ان کی وفات ہو گئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :-

"اے ابراہیم! ہم تیری وفات کی
وجہ سے غمگین ہیں۔ آنکھ روتی ہے، دل
اداس ہے لیکن ہم کوئی ایسی بات نہیں
کہتے جس سے ہمارا رب ناراض ہو"

دفنانے، قبر پر پانی چھڑکنے اور اس پر ایک تعارفی علامت قائم کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے سرہانے کھڑے ہو گئے اور وہی باتیں کہنے کے بعد جو وفات کے وقت فرمائی تھیں یہ کہا :-

"اے میرے بیٹے! قیامت کے دن
جب تم سے سوال ہو تو تم کہنا کہ اللہ
میرا رب ہے۔ اسلام میرا دین ہے۔
اور رسول اللہ میرے باپ ہیں"

یہ سن کر کئی صحابہؓ رو پڑے۔ ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے۔ روتے روتے حضرت عمرؓ کی چیخیں نکل گئیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا :-

"عمر! روتے کیوں ہو؟"

حضرت عمرؓ نے عرض کیا :-

"یا رسول اللہ! یہ آپ کا لڑکا ہے۔ ابھی یہ بلوغت کو بھی نہیں پہنچا تھا۔ فرشتوں کا قلم بھی اس پر نہیں چلا تھا۔ اس حالت میں بھی اس وقت یہ آپ جیسے شخص کی جانب سے توحید کی تلقین کا محتاج ہے۔ تب عمر کا کیا حال ہو گا جو بالغ ہے۔ فرشتوں کا قلم بھی اس پر چل چکا ہے لیکن اسے آپ کی مانند کوئی تلقین کرنے والا نہیں۔"

جس روز ابراہیمؓ کی وفات ہوئی اس دن سورج کو گہن لگ گیا تھا۔ بعض لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ یہ گہن ابراہیمؓ کی موت کی وجہ سے لگا ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ اپنی نبوت کے دعوے میں جھوٹے ہوتے تو اس موقع پر خاموش رہتے اور تمام مسلمانوں میں یہ بات آپ کی صداقت کے طور پر مشہور ہو جاتی لیکن آپؐ نے ایسا نہ کیا بلکہ پرزور الفاظ میں لوگوں کے اس قول کی تردید کرتے ہوئے فرمایا :-

"سورج اور چاند خدا تعالیٰ کے
نشانوں میں سے دو نشانیاں ہیں جن کے
ذریعہ وہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔
کسی کی موت یا زندگی سے ان کو گہن
نہیں لگتا"

فرانسیسی مستشرق موسیو برتلمی سانت ہیلیار لکھتا ہے :-

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ذکاوت کے

انتہائی درجہ پر پہنچے ہوئے تھے۔ تقویٰ اور دین کے لحاظ سے آپ کا کوئی ہم پلہ نہ تھا۔ نہایت کشادہ دل تھے۔ دشمنوں سے نہایت نرمی سے پیش آتے تھے۔ جس عظیم الشان کام کی آپ نے بنیاد رکھی اُس کا قیام محض اس وجہ سے ممکن ہوا کہ اس کا بانی ایک ایسا شخص تھا جو اپنے ہم عصر لوگوں سے ہر لحاظ سے بڑھا ہوا تھا اور دین جس کی طرف آپ لوگوں کو بلاتے تھے ان قوموں کے لئے جو اس میں داخل ہوئیں انتہائی خیر و برکت کا موجب ہوا۔"

مشہور پادری "زویمر" لکھتا ہے:۔

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بے نظیر شخصیت ہی آپ کی کامیابی اور اسلام کے پھیلنے کا سبب بنی۔ اپنے عہد کے ادیان پر آپ کی گہری نظر، دلوں کو اپنی طرف کھینچنے کی حیرت انگیز قوت، جنگی صلاحیت اور سیاسی بصیرت بھی آپ کے سلسلہ کو ترقی دینے میں ممد و معاون ثابت ہوئیں۔"

تاریخ کسی ایسے شخص کی مثال پیش نہیں کر سکتی جس نے اپنی بچپن کی زندگی کا اتنا اثر قبول کیا ہو۔ اس زمانہ کے واقعات کو اتنی اچھی طرح یاد رکھا ہو اور ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے بچپن میں اس کی پرورش کی اتنا اچھا سلوک کیا ہو جتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔

حلیمہ کے آنے سے قبل چند روز تک آپؐ کو ابولہب کی ایک لونڈی ثوبیہ نے دودھ پلایا تھا جب بڑے ہو کر آپؐ کو اس کا علم ہوا تو آپؐ نے چاہا کہ اسے اس احسان کا بدلہ دیا جائے۔ آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کے ذریعہ کوشش کی کہ ابولہب سے ثوبیہ کو خرید کر اُسے آزاد کر دیا جائے لیکن آپؐ کو کامیابی نہ ہوئی اور ابولہب ہمیشہ انکار کرتا رہا۔ آپ جب تک مکہ میں رہے ابولہب کی نظروں سے بچا کر اسے کوئی نہ کوئی چیز بطور امداد بھجواتے رہتے تھے۔ مدینہ تشریف لے جانے کے بعد بھی چیزیں اور کپڑے بھیجنے کا یہ سلسلہ جاری رہا جب آپؐ غزوۂ خیبر سے واپس آئے تو آپؐ کو ثوبیہ کی وفات کی خبر ملی۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ اس کے قریبی عزیز کون کون ہیں تاکہ ثوبیہ کے رشتہ دار ہونے کی بناء پر انہیں تحفے تحائف بھجوا سکیں لیکن معلوم ہوا کہ اس کا کوئی بھی رشتہ دار زندہ نہیں ہے۔

بدویوں کی زندگی ہمیشہ تنگی اور مشقت و تکلیف کی حالت میں گزرتی ہے۔ ایک دفعہ آپؐ کی دایہ حلیمہ مکہ میں آپؐ کے پاس آئیں اور تنگ دستی کی شکایت کی۔ آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے ذکر کیا۔ انہوں نے حلیمہ کو فوراً ایک اونٹ اور چالیس بکریاں مرحمت فرما دیں۔ اسی طرح مدینہ میں وہ ایک مرتبہ آپؐ کے پاس آئیں۔ آپؐ انہیں دیکھتے ہی "ماں۔ ماں" کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ زمین پر ایک کپڑا بچھایا اور انہیں اس پر بٹھا دیا۔ اس کے بعد جس کام کے لئے وہ آئی تھیں وہ کر دیا۔

بعض لوگ اعتراضاً یہ کہتے ہیں کہ اسلام کے پھیلنے کا سبب یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طاقت حاصل ہوتے ہی تلوار سے کام لینا شروع کیا اور اسی تلوار سے اپنے عہد کی بڑی بڑی سلطنتوں کو زیر کر کے وہاں کے باشندوں کو بزور اسلام میں داخل کر لیا۔

بالفرض یہ الزام صحیح بھی ہو تب بھی اس سے اسلام کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا بلکہ اس کی قوت و طاقت ہی کا پتہ چلتا ہے لیکن درحقیقت یہ الزام سرے سے صحیح ہی نہیں۔ جو جماعتیں تلوار کے زور سے کسی مذہب کو قبول کرتی ہیں وہ ہمیشہ ہمیش کے لئے اس مذہب پر قائم نہیں رہتیں بلکہ جونہی اس کی گرفت ڈھیلی ہوتی ہے وہ اپنا آبائی مذہب اختیار کر لیتی ہیں لیکن جب ہم ان جماعتوں کی طرف نگاہ دوڑاتے ہیں جنہوں نے مختلف اوقات میں اسلام قبول کیا تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جن قوموں نے فتوحاتِ اسلامی کے زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا وہ تیرہ سو سال گزرنے کے بعد بھی بڑی مضبوطی اور سختی سے اسلام پر قائم ہیں اور اس کی راہ میں ہر قسم کی قربانی کرنا اپنا فرضِ اولین سمجھتی ہیں۔ انہیں کبھی بھول کر بھی اپنا آبائی مذہب اختیار کرنے کا خیال نہیں آتا۔

مزید برآں ان قوموں کے لئے جو تلوار کے زور سے اپنا مذہب مفتوحہ قوموں پر ٹھونسنا چاہیں، یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ ہر بستی اور قریہ میں ایک بڑی جماعت کو اس غرض کیلئے مقرر کریں کہ وہ وہاں امن قائم رکھے اور وہاں کے باشندوں کو اپنے مذہب میں داخل کرے لیکن تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس ان کی فتوحات کے زمانہ میں کبھی اتنی فوج نہیں ہوئی کہ وہ دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے ساتھ ساتھ مفتوحہ بستیوں اور شہروں کی نگہداشت بھی کرے اور زور و قوت کے ساتھ اسلام کو پھیلائے۔

اس صورت میں ہمارے لئے ان اسباب کا جاننا بے حد ضروری ہو جاتا ہے جن کی وجہ سے اسلام کو اتنی حیرت انگیز کامیابی نصیب ہوئی اور وہ مکہ و مدینہ کی چار دیواری سے نکل کر اطراف عالم میں پھیل گیا۔

اگر ہم زمانہ حال کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا۔ کہ اس گئے گزرے زمانہ میں بھی اسلام برابر ترقی کر رہا ہے۔ اور مسلمان ہونے والے لوگوں کی تعداد میں برابر اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ کوئی دین اس کے مقابلہ پر ٹھہر نہیں سکتا اور اسلام کے نظام کے خلاف کوئی نظام آج تک کبھی کامیاب نہیں ہو سکا۔ اگرچہ آج کل عیسائیت کو بے حد فروغ حاصل ہے۔ لیکن بہت تھوڑے مسلمان ہیں جنہوں نے عیسائی مذہب اختیار کیا ہے۔ مگر اس کے مقابلہ میں کروڑوں عیسائی اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اور ان کے اسلام قبول کرنے کا سلسلہ آج تک جاری ہے[1]۔

اسلام کی اس خارق عادت اشاعت کا بنیادی سبب اس کی سادگی ہے۔ اس کے اصول فطرت اور عقلِ سلیم کے عین مطابق ہیں۔ اس میں داخل ہونے کیلئے لمبی چوڑی رسومات ادا کرنے کی ضرورت نہیں محض زبان سے کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کافی ہے۔ اسلام کے عقائد میں ایسی بات نہیں جسے عقلِ انسانی قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔ عبادات نہایت آسان ہیں اور انہیں بجا لانے کے لئے کسی مشقت

[1] یہ کام صرف اور صرف جماعت احمدیہ کے ذریعہ ہو رہا ہے (محمد احمد)

اور تکلیف کا سامنا کرنا نہیں پڑتا۔ ایک غیر مسلم نہایت آسانی سے بہت تھوڑے وقت میں اس کے اصولوں کو سمجھ سکتا ہے۔ یہی اس کی مقبولیت اور اشاعت کا راز ہے۔

٭٭٭٭٭٭

یورپی مستشرق "نٹلے" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبردست اثر انگیز شخصیت ہی کی وجہ سے آپ کے صحابہؓ دیوانہ وار آپؐ پر فدا تھے اور آپ نے ان کی عقلوں اور ذہنوں پر پورے طور پر قبضہ کر رکھا تھا۔ آپ نے اپنی حیرت انگیز قابلیت سے کام لے کر ایک ایسے دینی اور سیاسی نظام کی بنیاد ڈالی جس پر ہر زمانے اور ہر خطّے کے لکھو کھا لوگ جن کے عادات و خصائل اور طور طریقے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتے ہیں عمل کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور اپنے لئے اسے راہِ نجات سمجھتے ہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی الشیاد کی طاقتور ترین قوموں کے مقابلہ میں کامیابی اور صدہا برس سے اسلامی نظام کا علیٰ حالہٖ قائم رہنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس عظیم الشان انسان کو قدرت کی طرف سے حیرت انگیز صلاحیتیں ودیعت کی گئی تھیں جن سے کام لے کر اس نے دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا۔"

ایک اور یورپین مؤرخ پروفیسر جان سمتھ اسی امر کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"ایک اجنبی طاقت کی فتوحات کے بعد مفتوحہ علاقوں کا اس قدر جلد ایک نئے دین کو قبول کر لینا ایسا واقعہ ہے جس کی کوئی نظیر زمانہ قدیم کی تاریخ میں نہیں ملتی صرف اسلام ہی کو یہ شرف حاصل ہے۔ کہ اس نے نہایت ہی قلیل عرصے میں اس قدر شاندار کامیابی حاصل کر لی۔ اور دیکھتے دیکھتے یہ دین مفتوحہ علاقوں میں ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک پھیل گیا۔"

مشہور مؤرخ "ڈوزی" بھی اسلام کے بسرعت پھیلنے پر اظہار حیرت کرتا ہوا لکھتا ہے۔

"اسلام کی اس کے ابتدائی زمانہ ہی میں اس تیزی سے اشاعت ایک حیرت انگیز واقعہ ہے۔ جس پر جس قدر بھی تعجب کیا جائے کم ہے۔ خصوصًا ایسی حالت میں کہ اس نئے دین کو پھیلانے کے لئے جبر و تشدد سے کام نہیں لیا گیا۔ اور کھلے طور پر اجازت دے دی گئی کہ مَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ۔"

سرورِ کائناتؐ کے حضور

از جناب خالد ہدایت صاحب بی۔ اے لاہور

امامِ ازکیاء، خیرالبشر، محبوبِ یزدانی
نہیں ادراک رتبے کا ترے مقدورِ انسانی

خدا کے بعد تجھ سے کوئی افضل ہو نہیں سکتا
ہیں شاہد تیری عظمت پر کئی آیاتِ قرآنی

ترے کردار سے روشن ہوئیں اخلاق کی قدریں
ہوا اقوال سے کشفِ غطائے رازِ پنہانی

خدا ہی کے لئے تیرا تکلم اور تعامل تھا
مرے آقا! تری ہر بات تھی تفسیرِ قرآنی

غرض کیا تھے ترے افکار اور اشغال کے مرکز
خدا طلبی۔ خدا جوئی۔ خدا بینی۔ خدا دانی

اشدّاء علی الکفّار تو اور ہم نوا تیرے
مگر آپس میں تھے رحماء کی تصویرِ لاثانی

ذلیل و خوار اور ناکام دشمن ہو گئے سارے
تجھے ہر گام پر حاصل ہوئی تائیدِ ربانی

غلاموں کو کیا آزاد لیکن اہلِ حکمت کو
پسند آئی ہے جان و دل سے تیرے گھر کی دربانی

وہ جن کی ضرب سے ٹوٹا غرورِ قیصر و کسریٰ
سکھایا تھا تمہیں نے اُن کو آئینِ جہانبانی

عرب کے جاہل و تاریک دل لوگوں کو تم ہی نے
نکالا قعرِ ظلمت سے بنایا ان کو نورانی

ہوئے ہیں احمدؑ و محمود روشن نور سے تیرے
کوئی دیکھے مرے آقا! ترے فیضان کی تابانی

غلامی تیری خالد کو ہے ہر اعزاز سے پیاری
کہ رتبے میں تری چوکھٹ ہے رشکِ تاجِ سلطانی

---

[1] یہ کام صرف اور صرف جماعت احمدیہ کے ذریعہ [illegible]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت ایک کامل انسان

(از قلم جناب صوفی بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔ اے۔ پروفیسر تعلیم الاسلام کالج)

علوم جدیدہ کے ماہرین کا مذہب کے خلاف علم النفس کے ماتحت ایک زبردست اعتراض یہ ہے کہ ایک صحت مند انسان جو ہر قسم کی صحت رکھتا ہو اور بلحاظ ایک انسان تمام کمالات سے آراستہ ہو۔ مذہب کا پیرو اور غلام نہیں ہو سکتا۔ ان کے نزدیک غیر صحت مند اور ذہنی طور پر بیمار لوگوں نے اپنی بعض کمزوریوں کے defence کے طور پر مذہب ایجاد کر لیا ہے۔ اسی طرح بعض لوگ جو دنیا میں بعض لذّات یا کمالات کے حصول سے کم تر رہتے ہیں۔ انہوں نے اگلے جہان کا عقیدہ ایجاد کر لیا ہے۔ کہ ہمیں یہ تمام چیزیں اگلے جہان میں ملینگی۔ گویا مذہب مَا تَھوَی الانفس یعنی نفسانی ہوا و ہوس کی تشنگی کو دبانے کے لئے ایک حسین خواب ہے اور یہ محض ایک خواب ہی خواب ہے حقیقت کو اس سے دُور کا واسطہ بھی نہیں۔

عصر جدید کے ایک فلاسفر ڈاکٹر فرائیڈ نے ایک کتاب The Future of an Illusion میں اس مضمون کو شرح و بسط سے بیان کیا ہے اور یہ کتاب مذہب کے خلاف ایک حرفِ آخر سمجھی جاتی ہے۔ میں نے جب اس کتاب کو پڑھا تو اوّلاً یوں محسوس ہوا کہ نہایت معقول باتیں بیان کی گئی ہیں۔ تب میں نے دُعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس اُلجھن کے خلاف مجھے قرآن شریف سے کوئی دلیل سمجھا دے جس کے سامنے اس فلسفے کا یہ طلسم جیسے مذہب کے خلاف کھڑا کیا گیا ہے دُھواں بن کر اُڑ جائے۔

چنانچہ اس کے چند دن بعد حسب معمول جو میں نے قرآن کریم کی تلاوت کی تو سورۂ نجم کی یہ آیات نظر سے گزریں :-

مَاذَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ۝ اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی ۝ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰی ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِیْزٰی ۝ اِنْ هِیَ اِلَّا اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَا اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا

تَهْوَى الْأَنْفُسُ وَلَقَدْ
جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدَىٰ ۝
أَمْ لِلْإِنْسَانِ مَا تَمَنَّىٰ ۝
فَلِلَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَىٰ ۝
(سورۃ النجم)

میں نے قبل ازیں مندرجہ بالا آیات کئی بار پڑھی تھیں لیکن اب ڈاکٹر فرائیڈ کی کتاب پڑھنے کے بعد جب میں نے ان آیات کی تلاوت کی اور ان کے مفہوم پر غور کیا تو میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اور یوں محسوس ہوا۔ کہ قرآن کریم نازل کرنے والے نے ڈاکٹر فرائیڈ کی یہ کتاب سامنے رکھ کر اس کا جواب لکھا ہے۔ اور اس کی کتاب کا خلاصہ بھی ان آیات میں بیان کر دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر فرائیڈ نے ۱۳۰۰ سال بعد یہ کتاب لکھی۔ اور اپنے زعم میں مذہب پر ایک بھرپور وار کیا۔ مگر قرآن کریم کے نازل کرنے والے نے ۱۳۰۰ سال پیشتر اس کے مضمون کو نہ صرف ان آیات میں بیان کر دیا بلکہ اس کا شافی جواب بھی دے دیا۔ عصر جدید کے علماء کے سامنے جب قرآنی عجائبات پیش کئے جاتے ہیں۔ تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عظیم الشان دماغ رکھتے تھے۔ وہ ایک genius تھے۔ اس لئے انہوں نے آنے والے علوم کے بہت سے رازوں پر اپنے دماغی کمالات کی بناء پر اطلاع حاصل کر لی۔

مگر کیا کسی بڑے سے بڑے دماغ میں یہ طاقت ہو سکتی ہے۔ کہ ۱۳۰۰ سال پیشتر ان علوم کے زبردست اعتراضات کو پہلے سے جان لے اور پھر ان کا شافی جواب دیدے ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ قرآن کریم کسی انسان کا کلام ہے ہی نہیں۔ بلکہ یہ عالم الغیب خدا کا کلام ہے جس کی نظر سے کوئی چیز خواہ وہ کتنی ہی باریک اور دقیق کیوں نہ ہو۔ اور خواہ وہ ہزاروں سال آئندہ جا کر پیدا ہونے والی ہو۔ پوشیدہ نہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ کہ

۱۔ اسلام کا یہ چشمہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے سے وحی الٰہی کے ذریعہ سے پھوٹا ہے۔ یہ آنحضرت کی اندرونی اور نفسیاتی تعبیرات میں کسی افراط و تفریط کا نتیجہ ہرگز نہیں۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ۔

۲۔ یہ مذہب حسین خواب کی حیثیت نہیں رکھتا۔ خواب اس وقت دیکھی جاتی ہے جبکہ حقائق سے انسانی نظر بند ہوتی ہے۔ اور قوت واہمہ پرواز کر رہی ہوتی ہے۔ بلکہ اس مذہب کے بانی نے عظیم ترین اور ٹھوس حقائق کو خود اپنی آنکھ سے دیکھا ہے جن حقائق کے آگے دنیوی لذات کی حقیقتیں بالکل ماند ہو کر رہ گئی ہیں۔

لقد رأى من آيات ربه الكبرى آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے سے انوار کا یہ چشمہ اس لئے نہیں پھوٹا۔ کہ آپ دنیوی لذات کے حصول سے محروم رہے تھے۔ اور اس کمی کو پورا کرنے کے لئے آپ کے ذہنی ذریعہ نے ایک حسین خواب ایجاد کی تھی۔ بلکہ اس لئے یہ ان دنیوی حقائق سے کہیں بڑھ کر حقائق کو اور اپنے رب کے عظیم ترین

؎ یہ کلام ظرف و ظرف [illegible]

نشانات کو آپ کی آنکھ نے دیکھا تھا۔

۳۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کفار کے متعلق فرماتا ہے کہ ان کی کمزور اور بیمار فطرتوں نے اپنی بیماریوں سے پناہ کے طور پر جھوٹی امیدوں اور سہاروں سے وقتی سکون حاصل کرنے کے لئے بت تراش لئے ہیں اور درحقیقت ما تھوی الانفس۔ یہ بت ان کے اندرونوں میں ہیں۔ اور ظاہری طور پر بھی ان اندرونی بتوں کے مقابل میں انہوں نے بت گھڑ لئے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔

۴۔ آخر میں اسلام اور جھوٹے مذاہب جو انسان کے ذہن نے خود ایجاد کر لئے یا سچے مذاہب کو اپنی ذہنی کیفیتوں کے مطابق تبدیل کر لیا۔ ان میں ما بہ الامتیاز بیان کیا کہ تمنائے نفس کے ماتحت جو مذہب گھڑا جاتا ہے۔ ایک تو وہ خواب کی حیثیت ہی رکھتا ہے کبھی حقیقی منفعت اس سے حاصل نہیں ہوتی۔ دوسرے نہ صرف یہ کہ اس سے انسان کو فائدہ نہیں ہوتا۔ بلکہ الٹا نقصان ہوتا ہے۔ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی

۵۔ آخر میں فرمایا کہ اسلام نے مستقبل کے متعلق جو امیدیں دلائی ہیں۔ وہ جھوٹے مذاہب کی امیدوں کی طرح صرف تمنائے نفس ہی نہیں ثابت ہونگی۔ بلکہ یقیناً یقیناً پوری ہونگی۔ کیونکہ اسلام کا خدا صرف مستقبل پر ہی قبضہ نہیں رکھتا بلکہ زمانہ حال اور ابتدائی زمانہ میں بھی اپنی قادرانہ تجلیات ظاہر کرتا ہے۔ اور اسی ابتدائی حالت پر آخری حالت کا قیاس کیا جاسکتا ہے۔ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى۔

گویا ان آیات میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مذاہبِ باطلہ پر واقعی ڈاکٹر فرائیڈ کی تھیوری من وعن صادق آتی ہے۔ کہ کمزور انسانیت یا بیمار انسانیت اپنی کمزوری اور بیماری کو چھپانے کے لئے وہمی اور بے حقیقت مذاہب ایجاد کر لیتی ہے جن کے اندر کوئی حقیقت نہیں۔ مگر اسلام ان عظیم الشان روحانی فتوحات کا نام ہے۔ جو ایک مردانہ حوصلہ رکھنے والا انسان ہی فتح کر سکتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کمزور اور بیمار انسان بھی اسلام میں آکر قوت حاصل کرلے۔ اور اپنی کمزوری کے مضر اثرات سے پناہ حاصل کرے۔ مگر اسلام کی اصل روحانی فتح یا فلاح اس مردِ کامل کو ہی ملتی ہے۔ جو تندرست انسانیت کا مالک ہو۔ اور اس تندرست انسانیت کی بنیاد پر اپنی اخلاقی و روحانی اقدار کی عظیم الشان عمارت کھڑی کرے۔

مندرجہ بالا امر کو اس رنگ میں بھی کہا جاسکتا ہے۔ کہ حقیقی روحانی شاہسوار اسلام کے نقطۂ نگاہ سے ایک بیمار اور کمزور انسانیت رکھنے والا نہیں ہوسکتا بلکہ ایک مردِ کامل ہی ہوسکتا ہے۔ جو انسانیت کے کمالات سے پورا پورا حصہ رکھنے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ نبوت کی نعمت کمزور اور بیمار نفوس رکھنے والوں کو نہیں دیتا بلکہ انہی کو اس نعمت سے نوازتا ہے۔ جو انسانیت کی شاہراہ کے بھی شاہسوار ہوتے ہیں۔ اور انسانی کمالات کی شدت کو پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ فرمایا ہے:۔

فَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ

سَنَةً اٰتَیْنٰہُ حُکْمًا وَّعِلْمًا ہ

کہ جب وہ انسانی کمالات کی شدت کو پہنچ گئے تو انہیں نبوت عطا کی گئی"۔

جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر نظر ڈالتے ہیں تو مخالفین اور فلسفہ وعلوم جدیدہ کے اسلام پر تمام اعتراضات ہباءً منثورا ہو جاتے ہیں بحیثیت ایک انسان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کمالات کا نمونہ دکھایا جن کی کہیں نظیر نہیں ملتی۔ اور آپ کی زندگی اور آپ کے اعلیٰ ترین کمالات اور ان کے اظہار سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ آپ کا مذہب آپ کی نفسانی کمزوریوں کے لئے بطور پناہ (defence) نہیں تھا۔ بلکہ اس مرد میدان نے روحانی گھوڑے پر سوار ہو کر ملکوت السموٰت والارض کی سیر کی تھی۔ اور ان تمام روحانی امور کو جو اس نے بیان کئے بطور objective realities (خارجی حقائق) کے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ آپ کی زندگی کسی بھی انسانی کمال میں کسی دوسرے انسان سے کمتر تو کجا بلکہ ہر شان میں اعلیٰ و اکمل نظر آتی ہے۔

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام انسانی کمالات کو گنا جائے تو اس کے لئے عمر خضر درکار ہے تاہم چند نمونوں کے طور پر کچھ تذکرہ کیا جاتا ہے۔

لفظ انسان کے معنے ہیں دو محبتیں یعنی انسان کو انسان اسلئے کہا جاتا ہے کہ وہ دو محبتوں کا مجموعہ ہے۔ اگر وہ خدا کی محبت میں فنا ہو کر خدا کے قریب تر ہو جاتا ہے تو پھر مخلوق خدا اور بنی نوع کی محبت کے جوش سے مخلوق کی طرف بھی اترتا ہے اور کمال محبت کے مظاہرے اس سے سرزد ہوتے ہیں۔ اسی کیفیت کو سورۃ النجم کی ان آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی حقیقی انسانیت کے مظہر کامل تھے۔ ایک طرف آپ نے محبت الٰہیہ کا بے نظیر مظاہرہ کیا تو دوسری طرف شفقت علی الخلق میں بھی سب پر فوقیت لے گئے اور انسانیت کے مفہوم کو بتمام وکمال پورا کر دیا۔

آپ نے محبت الٰہیہ میں بھی اس امر کا مظاہرہ کیا کہ اس محبت کا سرچشمہ یہ نہیں کہ آپ دنیوی لذات سے محروم تھے اور اس محرومیت کے احساس کو دبانے کے لئے آپ نے خدا کی فرضی اور غیر حقیقی محبت کا ڈھونگ رچا لیا تھا۔ بلکہ آپ کو ہر قسم کی لذتیں حاصل تھیں اور ہر قسم کے انسانی کمال سے بہرہ ور تھے۔ آپ نے محبت الٰہیہ کے سمندر میں اس لئے غوطہ لگایا کہ آپ کو وہاں سے وہ موتی ملے جو دنیا میں نایاب تھے۔

چنانچہ کفار نے آپ کے سامنے یہ پیشکش کی کہ اگر آپ کسی حسین ترین عورت سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو وہ مہیا کر دی جائے گی۔ اگر آپ بادشاہت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو مکے والے اپنا بادشاہ بنانے کے لئے تیار ہیں۔ اگر آپ مال و زر پر فریفتہ ہیں تو وہ آپ کا گھر سونے چاندی سے بھرنے کے لئے تیار ہیں اگر آپ احساس محرومیت یا نفسانی کمزوریوں کے شکار

ہوتے تو اس پیشکش پر آپ کی آنکھیں خیرہ ہو جاتیں اور آپ اپنے آپے میں نہ رہتے۔ لیکن آپ نے کمال اطمینان وثبات سے فرمایا کہ اگر یہ لوگ چاند کو میرے بائیں اور سورج کو میرے دائیں بھی لا کر کھڑا کر دیں پھر بھی میں محبتِ الٰہیہ کے مظاہروں میں کمی نہیں دکھاؤں گا۔ یہ گویا آپ ان جھوٹے اور مصنوعی خدا پرستوں کی طرح نہیں تھے جو انسانی کمالات سے کم رہنے کی وجہ سے خدا پرستی کو پناہ بنا لیتے ہیں۔ بلکہ آپ نے محبتِ الٰہی کے اس جوش کے ساتھ دنیا اور مخلوق کی طرف بھی رُخ کیا۔ اور اُن کو بھی اپنی محبت سے ڈھانپ لیا۔ اور خدا اور مخلوق کی دو متقابل قوسوں یعنی کمانوں کے لئے درمیانی وتر یا واسطہ بن گئے۔

آپ پر انسانیت کی ہر ممکن حالت وارد ہوئی۔ اور ان سبھی حالتوں میں آپ نے بہترین نمونہ دکھلایا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے آپ کو اسوہ حسنہ قرار دیا۔

جہاں تک آپ کی ازدواجی زندگی کا تعلق تھا، جہاں انسان کا بحیثیتِ انسان بہترین موازنہ ہو سکتا ہے آپ بہترین خاوند ثابت ہوئے۔ بلکہ آپ نے فرمایا کہ

خیرکم خیرکم لاھلہٖ وانا خیرکم لاھلی۔

تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنی بیوی کے حق میں یا تعدد ازدواج کی صورت میں اپنی بیویوں کے حق میں بہترین ہے اور میں تم سب میں سے اپنے اہل کے حق کے لحاظ سے بہترین ہوں۔"

عیسائیت میں روحانی ترقی کی بنیاد رہبانیت کو قرار دیا گیا ہے۔ گویا روحانیت حاصل کرنے کے لئے انسان کے لئے ضروری ہے کہ ایک انسانی کمال کی نفی کرے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شادی کرنا میری سُنّت ہے۔ جو میری سُنّت سے مُنہ موڑتا ہے اُس کا مجھ میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ آپ نے فرمایا اِس انسانی کمال میں پُورا اُترنے والا ہی روحانی کمالات کا وارث تصوّر کیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے حق میں بہترین نہیں تو دیگر کمالات کی بناء پر اس کا دعویٰ فضیلت جھوٹا ہے۔ آپ کے دین میں ہر قسم کی اخلاقی و رُوحانی فضیلت کے لئے انسانیت کے کمال کی بنیاد رکھنا لازمی ہے۔ اس کے بغیر اخلاقی و روحانی فضیلتیں غیر حقیقی اور دھوکا ہوتی ہیں۔

چونکہ انسانی کمالات ونقائص ایک شخص کے اہل سے چھُپے نہیں رہ سکتے اسلئے بھی آپ نے فرمایا کہ بہترین وہی ہے جو بیوی کے حق میں بہترین ہے۔

آپ کی پہلی بیوی حضرت اُم المومنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کی اضطراب کی گھڑی میں آپ کو اِن الفاظ میں تسلّی دیتی ہیں جن سے ظاہر ہے کہ بنی نوع کی ہمدردی کس طرح کُوٹ کُوٹ کر آپ میں بھری ہوئی تھی۔ چنانچہ آپ فرماتی ہیں:۔

کَلّا واللّٰہ لا یخزیکَ اللّٰہ ابداً انّکَ تکسبُ المعدومَ تقری الضیفَ۔ تصلُ الرّحم

تحمل الکلّ وتعین علیٰ نوائب الحق۔

یعنی ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ آپ جیسے انسانی ہیرے کو ضائع کرے جو شفقت علیٰ خلق اللہ سے رات دن بھرپور رہتا ہے۔ آپ ان نیکیوں کو بجالاتے ہیں جو دنیا سے معدوم ہو چکی تھیں۔ آپ مہمانوں کی خاطر کرتے ہیں۔ رحمی تعلقات کو ملاتے اور استوار کرتے ہیں۔ ناکارہ اور معذور لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور ہر سچی اور حقیقی ضرورت پر لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔"

یہ اس ہستی کی گواہی ہے جو آپ کی رات اور دن کی رفیق تھی۔ آپ کی کوئی بات اس سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔

مدنی زندگی میں بعض جماعتی، دینی و قومی ضرورتوں کی بنا پر آپ نے کئی شادیاں کیں۔ تعدد ازواج کی صورت میں بسا اوقات بعض بیویاں اپنے خاوند سے شاکی رہتی ہیں۔ کیونکہ اپنی کمزوری کی وجہ سے وہ کسی ایک بیوی کی طرف اتنا جھک جاتا ہے کہ دوسری بیوی سے غفلت برتتا ہے اور ہر دوسری بیوی بجائے اپنے خاوند کو محبت کا مرکز بنانے کے اُسے ظالم اور خود غرض سمجھتی ہے۔ مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بیویوں سے اس قدر نیک سلوک تھا کہ آپ ان سب پر اس درجہ شفیق تھے کہ ایک دوسری سے بڑھ کر آپ پر جاں نثار وفریفتہ تھیں۔ چنانچہ اپنی وفات سے قبل آپ نے فرمایا کہ تم میں سے میرے بعد سب سے پہلے مجھے وہ ملے گی جو سب سے لمبے ہاتھوں والی ہے۔ اس ارشاد کے اصل معنی تو اور تھے جو بعد میں کھلے مگر اس وقت وفور محبت اور عشق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ عالم تھا کہ آپ کی بیویاں باہم ہاتھ ناپنے لگیں تا معلوم کریں کہ ہم میں سے وہ خوش قسمت کونسی ہے جو سب سے پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملیگی۔

اُم المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک یہودی سردار کی بیٹی تھیں۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی دوسری بیوی نے انہیں یہودن کہہ دیا۔ عام حالات میں ہر مرد اور عورت کو اپنے آبائی تعلق پر فخر ہوتا ہے مگر حضرت صفیہؓ اس طعنے پر از حد رنجیدہ ہوئیں کیونکہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اس قدر کھوئی جا چکی تھیں کہ اپنے آبائی تعلق کا یاد دلایا جانا بھی پسند نہ کرتی تھیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی لفظ کو حضرت صفیہؓ کی دلجوئی کا باعث بنا دیا۔ آپ نے فرمایا کہ تمہیں تو انکو جواب دینا چاہیئے تھا کہ میں تو یہودن ہونے کی وجہ سے تم سب پر فوقیت رکھتی ہوں۔ میرا خاوند نبی۔ میرے باپ دادے نبی جیسے ابراہیم، موسیٰ وہارون علیہم السلام میں تو چاروں طرف سے نبیوں میں گھری ہوئی ہوں۔

المختصر یہ کہ بحیثیت ایک خاوند ہونے کے آپ نے انسانی کمالات کا وہ نمونہ دکھلایا جو انسانی آنکھ نے کبھی نہ دیکھا تھا

اسکے بعد میں ایک اور انسانی کمال کو لیتا ہوں۔ انسانیت کے کمالات میں سے ایک بہت بڑا کمال یہ ہے کہ انسان مشکلات و مصائب اور صدمات طبعیہ کا مردانہ وار مقابلہ کرے۔ کمزور فطرت یا بیمار نفسیاتی کیفیتیں رکھنے والے انسان اپنے جذبات پر کوئی قابو نہیں رکھتے۔ ایک کلاک کے پنڈولم کی طرح افراط و تفریط کی حالتوں کے درمیان ہچکولے کھاتے رہتے ہیں مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر مصیبت، ہر مشکل اور ہر صدمہ کے مقابل میں کوہ وقار ثابت ہوئے۔ کوئی مصیبت، کوئی مشکل، کوئی صدمہ یا کوئی غیر حقیقی یا بیجا تعریف یا دشمنوں کی لعن طعن آپ کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہ کر سکی۔ آپ کی ساری اولاد سوائے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے آپ کی آنکھوں کے سامنے فوت ہوئی مگر سوائے طبعی غم و حزن کے آپ کی زبان پر کبھی کوئی ناشکری کا کلمہ نہ آیا۔ یقیناً صبر و رضا کے اس پہاڑ کو ہی زیب دیتا تھا کہ اس کی زبان سے یہ تعلیم جاری ہو کہ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ کہ سچے مومن نہ صرف خود حق و صبر کے پیکر ہوتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی ایسا بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک عورت اپنے بچے کی قبر پر رو رہی تھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکے پاس سے گزرے تو فرمایا۔ بی بی صبر کرو اس نے اپنے آنسوؤں کی قطار کی وجہ سے دھندلی نظر یا شدت غم کی وجہ سے آپ کو نہ پہچانا اور کہنے لگی۔ جا جا۔ اگر تیرا بیٹا فوت ہوتا تو پھر تجھے پتہ لگتا۔ آپ نے فرمایا۔ بی بی میرے تو سارے بیٹے میرے سامنے فوت ہو گئے۔ بعد میں لوگوں نے اس عورت کو بتایا کہ یہ تو نے کیا بے ادبی کی ہے یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اس پر وہ عورت سخت پشیمان ہوئی۔ اور آپ کے پاس آئی اور کہنے لگی۔ یا رسول اللہ میں نے صبر کیا۔ آپ نے فرمایا۔ الصبر عند الصدمۃ الاولیٰ۔ رو دھو کر یا واویلا کر کے تو کمزور سے کمزور انسان کو بھی صبر آ جاتا ہے صاحب کمال انسان وہی ہے جو صدمے کے پہلے حملے پر صبر کا نمونہ دکھائے۔

اسی طرح ایک انسانی کمال یہ ہے کہ انسان شجاعت کا کمال ظاہر کرتا ہے۔ غزوۂ حنین میں جب سارا اسلامی لشکر بھاگ چکا تھا۔ میدان جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ صرف چند جاں نثار رہ گئے تھے۔ تیروں کی دونوں طرف سے بارش ہو رہی تھی تو کسی نے آپ کی سواری کو پیچھے کی طرف لیجانا چاہا۔ اس پر آپ نے کہا۔ میری سواری کو چھوڑ دو۔ اور تیروں کی بارش میں یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے:۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب ٭ اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِب

میں خدا کا نبی ہوں میں جھوٹا نہیں ہوں میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

یعنی موت کے منہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال شجاعت کا مظاہرہ کیا جس کی نظیر نہیں ملتی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانی کمالات سے پورے طور پر بہرہ ور تھے۔ کسی کمال سے یا فضیلت سے محروم نہ تھے۔ احساس کمتری کا کوئی ذرہ آپ میں نہ تھا۔ احساس کمتری رکھنے والا انسان جب کسی بڑے مرتبہ کو حاصل کر لیتا ہے تو وہ ذہنی طور پر اپنی پہلی حالت کو بھلانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اسکا نیا حاصل کردہ مرتبہ اسکے اندرونی کمالات سے بڑا ہوتا ہے تب وہ اپنے نئے ماحول کے مطابق تکلف سے یا غیر ارادی طور پر اپنے اندر بھی تبدیلی پیدا کرتا ہے یعنی

ذہنی تبدیلی اور تکبر اور بڑائی کی علامات اُس سے ظاہر ہوتی ہیں۔
اس کی مثال یہ ہے کہ ایک تحصیلدار کو اگر غیر متوقع طور پر ڈپٹی کمشنر بنا دیا جائے تو وہ بسا اوقات اپنے آپے میں نہ رہے گا۔ کیونکہ نیا مرتبہ اس کی پہلی حالت اور اندرونی قابلیت سے زیادہ اور بڑھ کر ہے۔ یعنی جب ایک ڈپٹی کمشنر کو تبدیل کر کے اسی قسم کے کسی اور عہدہ پر لگا دیا جائے تو اس میں کوئی ذہنی تبدیلی پیدا نہ ہوگی۔ اور تکبر کی علامات ظاہر نہ ہوں گی۔

احساسِ کمتری رکھنے والا انسان امارت کی حالت میں اپنی پہلی حالت کو غیر شعوری طور پر بھی بھولنے یا ارادی طور پر چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر اس قسم کے احساسِ کمتری کا کوئی ذرہ نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مکہ کی فقیرانہ زندگی میں آپ کی وہی ذہنی کیفیت رہی جو مدینہ کی شاہانہ حالت میں تھی۔ ظاہری بود و باش میں بھی فرق نہ آیا۔ کیونکہ آپ کو یہ شعور تھا کہ میرے اندرونی کمالات بادشاہت سے بہت بڑھ کر ہیں۔ اور ان کے مقابلے میں بادشاہت کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ اسی وجہ سے کبھی بھی آپ نے اپنی ابتدائی حالتوں کو بھلانے یا ان پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔

چنانچہ مدنی زندگی میں ایک غریب عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ کے خداداد رعب کی وجہ سے کانپنے لگی۔ تو اس پر آپ نے فرمایا۔ ڈرو ڈرو نہیں۔ میں بھی ایک غریب عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی۔

اسی طرح احساسِ کمتری رکھنے والا انسان بڑائی کا خواہاں ہوتا ہے۔ ہر چھوٹے سے چھوٹے بہانے کے ذریعہ وہ بڑائی کا اظہار کرتا ہے اور کسی موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا جس کے ذریعہ سے وہ احساسِ کمتری کے اندرونی جذبے پر پردہ ڈال کر بڑائی کا اظہار کر سکے۔ علم النفس کے ماتحت تکبر، خود پسندی اور وجاہت پسندی، لوگوں کی تعریف کی بھوک دراصل خطرناک احساسِ کمتری پر دلالت کرتا ہے۔ ایسے لوگ عموماً اپنے اندرونی کمالات کے لحاظ سے کمینے ہوتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گو اللہ تعالیٰ کے فرمان کے ماتحت اپنے بلند ترین مقام کا اظہار کیا مگر یہ حکم خداوندی کی مجبوری تھی ورنہ وجاہت پسندی، دنیا کی عزت کی حرص آپ میں نام و نشان کو بھی نہ تھی۔ چنانچہ جب آپ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم شیر خوارگی کی حالت میں فوت ہوئے تو اس کے بعد دوسرے دن سورج کو گرہن لگ گیا تو مسلمانوں میں سے بعض نے کہنا شروع کیا دیکھو ہمارے رسول کی کتنی شان ہے کہ آپ کے بچے کی وفات پر آسمان نے بھی اظہارِ ماتم کیا ہے۔ چنانچہ غم کی وجہ سے سورج بھی تاریک ہوگیا۔ اب ایک دنیادار کے لئے اس سے بہتر اپنی بڑائی کے اظہار کا کونسا موقع ہو سکتا تھا کہ ادھر اس کے بچے کی وفات ہو اور ادھر ایسا واقعہ رونما ہو جائے۔ لیکن کیونکہ ان اندرونی کمالاتِ خداداد اور محبت خداوندی کی وجہ

نہ آپ میں احساسِ کمتری تھا اور نہ ہی اس کی وجہ سے آپ عزّ و جاہ کے بھوکے تھے۔ اس لئے جب آپ نے سُنا کہ لوگ سورج گرہن کو آپ کے صاحبزادے کی وفات کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ تو آپ فوراً باہر تشریف لے آئے اور فرمایا کہ سورج اور چاند کو کسی شخص کی موت یا زندگی کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی دو ڈرانے والی نشانیاں ہیں۔ ان موقعوں پر تمہیں دعا اور تضرع اور ذکر الٰہی کرنا چاہیئے۔

غرض یہ تو بطور مشتے از خروارے آپ کے چند کمالات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ورنہ اپنے ہر انسانی کمال اور وصف میں آپ یکتا و بے مثال تھے۔ آپ نے جو تعلیم دی اور جو وحی آپ پر نازل ہوئی اس میں کسی انسانی کمال کو دبایا نہیں گیا۔ بلکہ اسے صراطِ مستقیم پر چلایا گیا ہے۔ تا بہترین نتائج پیدا ہوں۔ فطرت کے تقاضوں کو دبانے کی بجائے انہیں تسلیم کیا گیا ہے۔ اور ان کو بجا طور پر پورا کیا گیا ہے۔ جیسے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا

ظاہری علوم سے آراستہ ہونے کی ترغیب دی گئی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم حاصل کرو خواہ اس کی خاطر تمہیں چین تک بھی جانا پڑے۔ اسی طرح فرمایا کہ بچپن سے لے کر موت تک علم کے حصول میں لگے رہو۔ پھر فرمایا کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

باطنی صفائی کے ساتھ ساتھ ظاہری صفائی پر از حد زور دیا گیا ہے۔ اور اسے ایمان کا جزو بتایا گیا ہے۔ خندہ پیشانی اور طلاقت کی وجہ کو بھی ایک مومن کی نشانی بتایا گیا ہے۔ غرضیکہ کوئی بھی انسانی فطری جذبہ ایسا نہیں جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تکمیل تک نہ پہنچایا ہو۔

پس بحیثیت انسان کے بھی آپ نے ہمارے لئے بہترین نمونہ پیش کیا۔ اور انسانیت کے کمالات کے حصول کے لئے ہمیں بہترین تعلیم دی۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ٭

بَلَغَ الْعُلٰى بِكَمَالِهٖ
كَشَفَ الدُّجٰى بِجَمَالِهٖ
حَسُنَتْ جَمِيْعُ خِصَالِهٖ
صَلُّوْا عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ

انسانِ کامل کا اُسوۂ حسنہ

(از جناب نور الحق خان صاحب بی۔ اے، بی۔ ایس سی (ایگریک)، کوئٹہ)

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○

ترجمہ :- یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود بھیجتے ہیں۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم بھی اس پر دُرود بھیجو اور بہت زیادہ سلامتی بھیجو۔"

آقائے نامدار سید وُلدِ آدم رسالتمآب نبیٔ عربی فداہ امی وابی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ اور حیاتِ طیبہ پر شروع زمانہ سے لیکر آج تک اَن گنت کتب تصنیف و تالیف ہوئیں، آج بھی ہوتی ہیں اور آئندہ قیامت تک لکھنے والے ہمیشہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات لکھ لکھ کر قوموں کی رُوحانی تشنگی بجھاتے رہیں گے۔ مگر ہزار ستائش کے لائق ہے وہ ہستی کہ جس کے اوصاف کے لعل و گہر کبھی ختم نہ ہوں گے۔ بلکہ پہلے سے بھی اپنی چمک دمک میں ہر آن و ہر لحظہ بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ جس انسانِ کامل کی تعریف میں نہ صرف زمین پر انسان ہی رطب اللسان ہوں بلکہ ملاءِ اعلیٰ اور خود خداوند قدوس بھی اس پر اپنا بے مثل درود بھیجتے ہوں بھلا اس کی تعریف میں انتہا تک پہنچنے کی کسی کو کیونکر طاقت و سعی حاصل ہو۔ مومنین، فرشتوں اور خدا تعالیٰ کا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اس طرح تعریف کرنا کوئی معمولی امر نہیں ہے اور نہ یہ توصیف خالی از وصف ہے بلکہ خود اللہ تعالیٰ کلام پاک میں فرماتے ہیں کہ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ تعریف کے لائق اِس واسطے ہوئے ہیں کہ انسان کی پیدائش کی غرض و غایت کے لحاظ سے آپ اخلاقِ فاضلہ کی، ایک ایسی بلند و بالا اور مستحکم چٹان پر قائم و دائم ہیں کہ جہاں سے تمام دُنیا آپ کے اخلاقِ حسنہ کو دیکھ کر اپنی زندگیوں کو اُسی سانچے میں ڈھال سکتی ہے۔ اِسی بناء پر رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا:-

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ

کہ دُنیا میں میری بعثت کا مقصد یہ ہے کہ تا اَن اخلاقِ فاضلہ کو دُنیا میں ان کی انتہائی بلندی اور شان کے ساتھ قائم کر جاؤں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت فرمائی کہ:-

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

کہ رسولِ اکرم تمہارے لئے زندگی کے ہر شعبہ میں بہترین قابلِ تقلید مشعلِ راہ ہیں اور انہی کی پیروی میں حقیقی فلاح و نجات ہے ؎

اگر خواہی دلیلے عاشقش باش
محمدؐ ہست برہانِ محمدؐ
(مسیح موعودؑ)

مسلم اور ابوداؤد میں روایت آتی ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ہشامؓ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں جب دریافت فرمایا تو آپؓ نے ایک ہی جامع کلمہ کہکر آپؐ کے تمام اخلاقِ فاضلہ کی ترجمانی کر دی۔ آپؓ نے فرمایا:۔

كَانَ خُلُقُهُ كُلُّهُ الْقُرْآنَ۔

کہ حضورؐ کے اخلاق کے بارے میں کیا سوال کرتے ہو وہ تو چلتے پھرتے مجسمۂ قرآن تھے۔ آپؐ اپنے تمام کاموں کو قرآن مجید کی روشنی اور مطابقت اور مطابقت میں کرتے اور جن باتوں سے قرآن مجید منع کرتا ہے ان سے مجتنب رہتے۔

حدیث قدسی ہے (وہ حدیث جس کے متعلق خدا تعالیٰ نے خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی ہو) کہ خدا تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا:۔

”لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ“

کہ اے نبی محترم! اگر میں نے تجھے پیدا نہ کرنا ہوتا تو مجھے تمام کائنات یعنی زمین و آسمان، چاند ستارے جمادات، نباتات، حیوانات اور انسانوں کو بنانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ خدا تعالیٰ نے جب کائناتِ عالم کی تخلیق کو مکمل کر لیا تو حیوانات میں حیوانِ ناطق (انسان) کو اشرف المخلوقات بنایا۔ اور پھر انسانوں میں انبیاء کو چن کر ایک محوری حیثیت دیکر امتیاز بخشا اور لوگوں کے لئے قابلِ تقلید نمونہ اور ہدایت کا موجب ٹھہرایا۔ پہلے ہر نبی جداگانہ طور پر اپنی اپنی قوم میں مبعوث ہوتا اور مخصوص زمانے، محدود علاقے اور وقت کے تقاضوں کے لحاظ سے اس کو تعلیم اور شریعت دی جاتی۔ اور اس خاص قوم کے لئے ایک خاص وقت تک اسوۂ حسنہ پیش کرتا۔ مگر جب زمانہ اپنی بلوغت کو پہنچا تو قادرِ مطلق نے آخر انبیاء کے گروہ میں سے بھی ایک ایسے آدم کی تخلیق کی جس میں گزشتہ تمام انبیاء کے اوصاف مجتمع کرنیکے علاوہ وہ آئندہ کے لئے زمانے اور علاقائی حدود سے بالاتر ہوکر تمام دنیا کے نوعِ انسان کے لئے قیامت تک ہادی و رہبر بن کر آیا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

حُسنِ یوسفؑ دمِ عیسیٰؑ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور یوں خدا تعالیٰ نے آپؐ کو تمام کائنات میں حسنِ تخلیق کا نقطۂ مرکزی ٹھہرا کر اپنی صفتِ خالقیت کا مقصد بتایا۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحب فرمایا کرتے ہیں کہ کلکتہ میں ایک سیرۃ النبیؐ کے جلسہ کے موقع پر ایک غیر مسلم پروفیسر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق

اعتراف حقیقت کرتے ہوئے ایک نہایت معنی خیز فقرہ کہا کہ:-

"one Mohammad justified the whole humanity"

کہ ایک محمد نے (اپنے عالی کردار و اخلاق کی وجہ سے) تمام بنی نوع انسان کی لاج رکھ لی"

دُنیا کی مائیں ایسا بچہ جننے سے قاصر ہیں جو بڑا ہو کر ایسا رہبر بنتا جو تمام نقطہ ہائے نظر اور شعبہائے زندگی کے مختلف پہلوؤں سے انسانیت کے لئے قابل نمونہ اور مثال کہلا سکتا ہو۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا زبردست اور عدیم المثال کیریکٹر دُنیا میں پیش نہ کرتے تو انسانیت ہمیشہ کے لئے نامکمل رہتی۔ مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے انسانیت اپنے کمال تک پہنچ گئی

فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

آپ کی تشریف آوری نے انسانیت کو اپنے نقطۂ عروج کے لحاظ سے اپنے غایت مقصد تک پہنچا کر آپ کو انسانِ کامل ثابت کر دیا۔ یہی تخلیق کائنات کا مطمح نظر تھا کہ انسانیت کو اس کے بام عروج تک پہنچا دیا جاتا۔ کَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا (یہ عظیم تر فضل ہے جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا تعالےٰ نے فرمایا)

میں ذکرِ محمدؐ تو بیاں کرتا ہوں لیکن
کہاں افکار مرے کہاں شانِ محمدؐ

معراج میں حضرتؐ کے قدم عرش پہ پہنچے
بس عرش ہے ہم پایۂ ایوانِ محمدؐ
(ثاقب)

آپؐ کے تمام کردار پر کچھ عرض کرنا تو کجا اگر آپؐ کی زندگی کے کسی واقعہ کو بھی بیان کیا جائے تو اُن کی ذہنی کیفیات، قلبی تأثرات اور جذباتِ رُوح کو پیش کرنا یقیناً محال ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن، قلب اور رُوح میں اس وقت رچے ہوئے تھے۔ آپؐ انسانی زندگی کی تقریباً ہر حالت سے گذر کر تمام عالم کے لئے ایک کامل نمونہ چھوڑ گئے۔ یتیمی کی حالت سے بادشاہ بننے تک، کٹھن اور مصائب و آلام کے زمانے سے آسائش کے وقت تک اور بے سروسامانی کی حالت سے جب دشمن آپؐ کے خون کے پیاسے تھے اقتدار آنے تک کے تمام حالات سے گذر کر آپؐ ایک بہترین قیمتی لائحہ عمل دے گئے۔ ذرا اندازہ تو کیجئے کہ کس طرح ایک یتیم، بے کس، امّی اور مفلس نے ہزاروں مغرور و سرکش، بہادر، بارعب اور عیاش سرداران عرب کو اپنی سیدھی سادی تعلیم، بلند و بالا اخلاق، بے پناہ قوتِ استقلال، توکل علی اللہ اور تائید ایزدی سے بُردبار، منکسر، زاہد، خدا پرست، مرتاض، موحد اور ہمدردِ انسانیت بنا دیا۔ عقلِ انسانی آپؐ کے ان حیرت زا کارناموں پر دنگ و ششدر رہ جاتی ہے۔ کہ ایسی مثال کوئی بھی نبی تو پیش نہ کر سکا جو آپؐ نے کی۔ نہ صرف اسی قدر بلکہ اُن صنادید عرب کا آپؐ کو مان کر باوجود جلاوطنی، بے سروسامانی، سخت تکالیف اُٹھانے اور

بلا کسی قسم کی ظاہری اُمید کے اپنے خویش و اقارب اور مال و متاع کو ترک کر کے اپنے ہادیٔ برحق کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینا اور خلوصِ دل سے اسلامی ہدایات کا پابند ہو کر اپنے تقدس و ورع کا اعلیٰ نمونہ دکھانا آپ ہی کی قوتِ قدسیہ کی تاثیر کا کام تھا۔ آپ کے اِن کارناموں کو یاد کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ؎

بد نیا گر کسے پائندہ بودے
ابو القاسم محمدؐ زندہ بودے

ہم ہوئے خیر اُمم تجھ ہی سے اے خیر رُسل
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے

پھر آپ فرماتے ہیں:-

"پس میں ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمدؐ ہے (ہزاروں ہزار درود و سلام اُس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے کہ اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا۔ اس کی تاثیرِ قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس جیسا حق شناخت کا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ وہ توحید جو دُنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دُنیا میں لایا۔ اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی طور پر نوعِ انسان کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی اسلئے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا اُس کو تمام اولین آخرین پر فضیلت بخشی اور اس کی مرادیں اسکی زندگی میں اس کو دیں۔ وہی ہے جو سرچشمہ ہے ہر ایک فیض کا اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ اسکے کسی فضیلت کا دعویٰ کرتا ہے وہ انسان نہیں بلکہ ذرّیتِ شیطان ہے۔ کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کنجی اس کو دی گئی اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اس کو عطا کیا گیا۔ جو اس کے ذریعہ نہیں پاتا وہ محروم ازلی ہے۔ ہم کیا چیز ہیں اور ہماری کیا حقیقت۔ ہم کافر نعمت ہوں گے اگر اِس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحیدِ حقیقی ہم نے اسی نبی کے ذریعہ سے پائی اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اسی کامل نبی کے ذریعہ اور اس کے نُور سے ملی اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھتے ہیں اسی بزرگ کے ذریعہ ہمیں میسر آیا۔ اس آفتابِ ہدایت کی شعاع دُھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے اور اُسی وقت تک ہم منور رہ سکتے ہیں

جب تک ہم اس کے مقابل پر کھڑے ہیں۔"
(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۱۵-۱۱۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ فاضلہ کے ناپیدا کنار سمندر سے نمونہ کے طور پر آپ کا وہ عدیم المثال سلوک عرض کرتا ہوں جو آپ یتیموں - ناداروں - معذوروں بے کسوں - بیوگان اور کم عقل لوگوں سے فرماتے تھے آپ کے اخلاقِ فاضلہ کا ظہور دعویٰ نبوت کے بعد نہیں شروع ہوا - بلکہ حضور علیہ السلام ہوش سنبھالنے کے ساتھ ہی با اخلاق اور با خدا انسان تھے - چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوتی تو آپ غار حرا سے گھر تشریف لائے اور اپنی ہمدرد رفیقہ حیات سے تمام ماجرا بیان کیا - اور بتقاضائے بشریت آئندہ کی ذمہ داریوں کے بوجھ سے یہ ڈر محسوس کیا کہ شاید یہ ناتواں انسان ان سے پوری طرح عہدہ بر آنہ ہوسکے - تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بایں الفاظ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دی :-

"کلا واللہ ما یخزیک اللہ
ابداً انک لتصل الرحم و
تحمل الکلّ وتکسب المعدوم
وتقری الضیف وتعین علیٰ
نوائب الحق۔"

کہ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز
کبھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑیگا -
کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں ضعیفوں
کے بوجھ اٹھاتے ہیں اور جو اخلاق

دُنیا سے مٹ چکے ہیں اُن کا قیام فرماتے
ہیں - مہمان نوازی کرتے ہیں - اور
مصیبت زدوں کی امداد فرماتے ہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ جب ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام شریعت بھی نہیں دیئے گئے تھے آپ حقوق العباد کا کس قدر خیال رکھا کرتے تھے - آپ کے مندرجہ بالا سلوک کے متعلق مولانا حالی فرماتے ہیں سے

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
یتیموں کا والی غلاموں کا مولےٰ
غریبوں کا ملجا فقیروں کا ماویٰ

آپ کا یہ سلوک کوئی ظاہر پرستی پر محمول نہیں کرسکتا کیونکہ نہ صرف یہ کہ آپ اس کے تمام ظاہری لوازم سے سرانجام دیتے تھے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھی اس میں برابر کا شریک رہتا - حضور اسی وجہ سے خدا تعالیٰ سے دست بدعا رہتے کہ :-

"اللّٰھم احینی مسکیناً وامتنی
مسکیناً واحشرنی فی زمرۃ
المساکین یوم القیامۃ۔"

کہ اے اللہ مجھے مسکینی کی حالت میں
زندہ رکھیو مسکینی کی حالت میں وفات
دیجیو اور روزِ قیامت مساکین کے زمرہ

میں میرا حشر کرنا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طور پر دعا مانگنا ظاہر کرتا ہے کہ حضورؐ کس خلوص دل سے مساکین سے سلوک فرماتے تھے۔ مثال کے طور پر چند واقعات درج ذیل کرتا ہوں :-

آپؐ کے وقت میں ایک شخص تھا۔ بہت بدصورت، کالا کلوٹا رنگ، بھونڈی شکل، چہرے پر چیچک کے داغ۔ جو کوئی اُسے دیکھتا اس سے کترا جاتا۔ ایک دن مدینہ کی کسی گلی میں کھڑا اشومیٔ قسمت کو کوس رہا تھا پسینہ سے شرابور اور گرد سے اَٹا ہوُا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ادھر سے ہوُا۔ آپؐ کی نظر اس شخص پر پڑی۔ اس مردم شناس ہستی نے فوراً اس کے دل کی گہرائیوں میں اُتر کر معاملہ کو بھانپ لیا۔ اس کی دلجوئی اور تسکین قلب کی خاطر چپکے سے اس کے پیچھے جا پہنچے اور اس کی آنکھوں پر اپنے دونوں ہاتھ مبارک چسپاں کر دیئے اور اس بات کے منتظر رہے کہ اب وہ خود ہی معلوم کرے کہ کس نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں۔ پہلے تو اس شخص نے آپؐ کے تمام جسم پر ہاتھ پھیر کر معلوم کرنا چاہا اور پھر اپنے جسم کو اس طرح حضورؐ کے جسم کے ساتھ لگاتا رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے گرد آلود ہو کر میلے ہو گئے۔ جب اُس نے دیکھا کہ یہ تو کوئی وسیع الحوصلہ اور شفیق ہستی ہے کہ جو نہ پیچھے ہٹی ہے اور نہ کوئی ملال ظاہر کیا ہے تو فوراً بول اُٹھا کہ آپ تو رسول خدا ہیں۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہے کوئی جو اس غلام کا خریدار بنے؟ اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھ سے تو کوئی بات تک کرنا پسند نہیں کرتا مجھے بھلا کون خریدے گا۔ آپؐ نے اسے تسلّی دی اور فرمایا۔ کہ نہیں، جس خدا نے تجھے پیدا کیا ہے اس کے ہاں تمہاری بہت قیمت ہے۔ یہ سُن کر کہ وہ خدا تعالیٰ کا محبوب ہے اس کا دل مسرّت وانبساط سے لبریز ہو گیا اور دُنیا کی جھوٹی نفرت کا خیال دل سے اُتر گیا۔ یہ ہے حقیقی شفقت اور یہ ہے وہ عدیم المثال نمونہ جو محض قیل و قال سے بالا آپؐ کے عملی رنگ اور دلی جذبات کی ترجمانی کرتا ہے۔ ہزاروں ہزار درود ہو اس شفیق ہستی پر۔

ایک دفعہ ایک کم فہم بدوی نے سرِ مجلس مسجد کے صحن کے ایک حصہ میں پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ صحابہؓ اُسے منع کرنے لگے۔ آپؐ نے فرمایا منع مت کرو اور جب وہ فارغ ہو گیا تو آپؐ نے اُسے نرمی اور حکمت سے سمجھا دیا اور مسجد کے اس حصّے کو صاف کرا دیا۔

آپؐ کے زمانہ میں دُنیا میں کثرت سے غلاموں کی تجارت ہوتی تھی اور غلاموں کے مالک ان ذرخرید انسانوں سے حیوانوں جیسا سلوک روا رکھتے اور اُنہیں سخت سے سخت سزائیں دینے میں ذرا بھر نہ چُوکتے۔ لیکن غلاموں کے دستگار نے آ کر ان کی قسمت کا پانسہ ہی پلٹ دیا۔ آپؐ کے ارشاد کی روشنی میں اور آپؐ کے اُسوۂ حسنہ کے پیشِ نظر غلام اپنے آقا کے گھر رہنے کو اپنے گھر چلے جانے پر ترجیح دینے لگے۔ حضور علیہ السلام کے ہاں زیدؓ نامی غلام تھے۔ نام کے تو غلام کہلاتے مگر عملاً حضورؐ ان کو اپنے خاندان کا فرد سمجھتے۔ زیدؓ کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں رہتے کئی برس گزر گئے تو ایک دن

زیدؓ کے والدین کو پتہ چلا کہ ان کا یہ گم شدہ لختِ جگر جسے ڈاکو پکڑ کر لے گئے تھے اور کہیں جا کر فروخت کر دیا تھا پکتے بکاتے آجکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں رہتا ہے۔ والد کی محبت نے جوش مارا۔ اپنے بھائی کو بھی ساتھ لیکر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی سوزِ فراق کی درد بھری کہانی سُنانے کے بعد التجا کی کہ حضور زید کو اُن کے ساتھ بھیجدیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم نے تو زید پر کوئی پابندی نہیں لگائی وہ بخوشی تمہارے ساتھ جا سکتا ہے۔ ہماری طرف سے اجازت ہے۔ یہ سُن کر وہ خوشی سے پھولے نہ سمائے۔

ہزار آفرین اس اُسوۂ حسنہ پر کہ جس کے مدنظر زیدؓ نے باوجود برسوں کی جُدائی کے اپنے وطن واپس جانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں جس غلامی میں سانس لے رہا ہوں اس کے مقابل وطن کی ہزار محبتیں اور آزادیاں قربان کرتا ہوں۔ میرے اہلِ وطن پھر بھی زمین پر رہتے ہیں مگر رسولِ خدا نے تو مجھے تحت الثریٰ سے اٹھا کر عرش پر بٹھا دیا ہے۔ آپ ہی بتائیں میں آپکے ہمراہ کیونکر جا سکتا ہوں۔ ایسا کیوں نہ ہوتا جب اس محسنِ انسانیت نے غلاموں کے بارے میں یہ تعلیم دی ہو کہ اُن سے انکی طاقت کے مطابق کام لیا جائے۔ جو کچھ خود کھاؤ پیو اور پہنو وہی ان کو دو۔ اور اگر کوئی غلام کو پیٹ دے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اُسے آزاد کر دے۔ ورنہ جہنم کی آگ اس کا بدلہ لینے کے لئے کافی ہے۔ یہی زیدؓ تھے جن کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں اپنی پھوپھی زاد ہمشیرہ کی شادی بھی کرا دی تھی۔ آپ نے غلاموں کو وہ رتبہ بخشا جو دُنیا داروں کے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ کو جو نہ صرف یہ کہ خود غلام تھے بلکہ غلام ابن غلام تھے آپ نے اسلامی لشکر کا سپہ سالار بنا کر اعزاز بخشا۔ آپؐ ان کو گھوڑے پر سوار کر کے خود لشکر کے ساتھ ساتھ پیدل تشریف لے جا رہے تھے اور لشکر کے بارے میں اس نوعمر سپہ سالار کو جس کے ماتحت بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ تھے ہدایات فرماتے جاتے تھے۔ سبحان اللہ۔ ہزار بادشاہتیں فدا ہوتی ہیں ایسی غلامی پر۔

آپؐ کے وقت میں ایک بُڑھیا تھی جو اکثر مسجد میں آکر صفائی کر جاتی۔ ایک مرتبہ آپؐ نے صحابہؓ سے اس کے متعلق دریافت فرمایا کہ چند دنوں سے وہ بڑھیا نظر نہیں آتی۔ آپؐ کو بتایا گیا کہ وہ بچاری تو انتقال کر گئی ہے۔ آپؐ نے صحابہؓ سے ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ کیوں نہ تم نے اس کی وفات پر مجھے خبر دی تا اس کے جنازہ میں شمولیت اختیار کرتے۔ صحابہؓ نے اسے معمولی واقعہ قرار دیکر حضور علیہ السلام کو اطلاع نہ دی تھی۔ چنانچہ رحمۃ للعالمینؐ اُسی وقت صحابہؓ کی معیت میں قبرستان تشریف لے گئے اور اس بُڑھیا کی قبر پر دُعا فرمائی۔

آپؐ نہ صرف زندوں کا خیال رکھتے بلکہ مُردوں کے حقوق کو بھی جہاں تک ممکن ہو سکتا ادا فرماتے۔ آپؐ لوگوں کو وفات یافتہ انسانوں کی بُرائی بیان کرنے سے سختی سے منع فرماتے اور نصیحت فرماتے کہ مُردوں کا ان کی اچھی باتوں کے ساتھ ذکر کرنا چاہیئے۔ آپؐ کے وقت میں اگر کوئی جنازہ لایا جاتا تو حضورؐ نماز جنازہ پڑھانے سے پہلے

دریافت فرما لیتے کہ اس شخص کے ذمہ کوئی قرض تو نہ تھا۔ اگر اس کے ذمہ قرض ہوتا تو حضورؐ اپنے پاس سے چکا دیتے۔ اور اگر حضور علیہ السلام کے پاس رقم نہ ہوتی تو اس کے رشتہ دار اور دیگر اصحاب رقم فراہم کر کے قرض کی ادائیگی کر دیتے تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھاتے۔ بصورت دیگر حضورؐ خود نماز جنازہ نہ پڑھاتے۔ اور یہ در اصل قرض کی ادائیگی کی طرف نفسیاتی پہلو سے ایک لطیف اور اہم یاد دہانی دلانا مقصود تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کا بھی از حد خیال رکھتے۔ ایک دفعہ آپؐ نے نماز معمول سے جلدی پڑھائی اور بعد میں فرمایا کہ کسی عورت کا بچہ رو رہا تھا میں نے اس خیال سے کہ بچہ اور اس کی والدہ کو تکلیف نہ ہو نماز ہلکی پڑھا دی ہے۔ سرور کونین کی وسعت نظر کس طرح زندگی کے ادنےٰ سے ادنےٰ شعبہ میں بھی اپنی دوربین نگاہوں سے معاملات کو سلجھانے کی اہمیت رکھتی تھی۔ جن امور کو دنیوی لیڈر اور زعماء معمولی اور ناقابل التفات واقعات قرار دے کر خیال تک کرنا گوارا نہیں کرتے آپؐ نے ان کو بھی اپنی جگہ اہمیت دی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پرورش یتامیٰ پر بھی خاص زور دیا۔ آپؐ نے اپنی شہادت کی انگلی اور اسکے ساتھ والی انگلی کو کھڑا کر کے فرمایا۔ کہ میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔ جیسے یہ دو انگلیاں آپس میں ہیں۔ اس مختصر سے فقرے سے آپؐ نے نہ صرف یتیموں کی پرورش کی اہمیت کی طرف اشارہ فرمایا۔ بلکہ اس کے اجر عظیم کا پتہ دے کر ہر سچے مسلمان کو اس کام کی طرف طبعی رغبت و کشش دلائی۔

ایک روز آپؐ نماز پڑھاتے ہی اتنی تیزی سے مسجد سے گھر تشریف لے گئے۔ کہ بعض صحابہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ ہمارے سروں پر سے پھلانگتے ہوئے گذر گئے۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد حضورؐ واپس مسجد میں تشریف لے آئے۔ اور فرمایا کہ کچھ مال صدقہ کے لئے آیا تھا۔ میں جب گھر میں مال تقسیم کر رہا تھا۔ تو ایک درہم گر کر کسی اوٹ میں آگیا۔ اور اس کے بعد ذہن سے بھی اتر گیا۔ اور میں نماز پڑھانے مسجد آ گیا۔ دوران نماز مجھے خیال آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے موت آجائے اور وہ صدقے کا درہم ہمارے گھر پڑا رہے۔ اور اسکے متعلق میں خدا تعالےٰ کے حضور جواب نہ دے سکوں۔ اس خیال کی وجہ سے میں جلدی سے گھر گیا۔ اور وہ درہم لے کر آیا ہوں۔ تب آپؐ نے اس کو مستحقین میں تقسیم کر دیا۔ اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ غرباء اور مساکین کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کس قدر خیال رہتا تھا۔ لیکن افسوس آجکل ان باتوں کو معمولی سے بھی حقیر سمجھ کر اس کی طرف کما حقہٗ توجہ نہیں کی جاتی

آپؐ نے اس خیال سے کہ آپؐ کے بعد آپکی اولاد کے احترام میں لوگ تمام صدقات کا مال کہیں ان کے پاس نہ لیتے چلے آئیں۔ اور اس طرح غرباء کی حق تلفی ہو گی۔ آپؐ نے اپنی اولاد پر صدقہ کا مال حرام کر دیا۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت امام حسینؓ

نے جب ابھی آپ بچے تھے صدقہ کے مال میں سے ایک کھجور
اپنے منہ میں ڈال لی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی
انگلی ان کے منہ میں ڈال کر وہ کھجور باہر نکال پھینکی اور فرمایا
کہ میری اولاد پر صدقہ کا مال حرام ہے۔

ایک دفعہ ایک وادی میں حضور علیہ السلام کی
بکریوں کا ایک بہت بڑا ریوڑ چر رہا تھا۔ ایک غریب
عرب کا وہاں سے گزر ہوا۔ بکریوں کے اتنے بڑے
گلے کو دیکھ کر حسرت بھری نظر سے کہنے لگا۔ کہ کتنا
خوش نصیب ہوگا وہ شخص جس کی ملکیت میں اس قدر
بکریاں ہیں۔ حضور علیہ السلام نے یہ سُنا۔ اس کی غربت
اور خواہش کے تقابل کا اندازہ کر کے اُسے اپنے
پاس بلا لیا۔ اور فرمایا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ یہ تمام
بکریاں تمہاری ہو جائیں؟ اس نے ایک سرد آہ بھر کر ایک
ناممکناتی انداز سے جواب دیا کہ چاہتا تو ہوں مگر میری
قسمت ایسی کہاں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ یہ تمام بکریاں میری ہیں جاؤ یہ سب کی سب تم کو بخشتا
ہوں۔ اس نے عرض کیا کہ آپ کیوں مخول کرتے ہیں۔ حضورؐ
نے فرمایا مخول نہیں۔ سچ سچ میں نے تم کو دیدی ہیں۔

یہ ایسے اخلاق ہیں جو دُنیا سے ناپید تھے اور جن کا
قیام رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک دُنیادار
آدمی کو یہ اخلاق واقعی عجیب تر دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن
رُوحانی ہستیوں کے لئے جن کی نظر دُنیا پر نہیں بلکہ آخرت
کی طرف ہے یہی اخلاق اُن کی زندگی کی غرض و غایت
ہوتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت
عرب میں عورت کسی حیثیت کی مالک نہ تھی۔ اس کے حقوق
اور مقام کا احترام تو کجا اس کی زندگی ایک مزدور سے بدتر
اور اس کا وجود اہلِ عرب کو اس قدر گراں خاطر تھا کہ اسکی
پیدائش پر وہ غم واندوہ کے خوفناک سمندر میں غوطہ زن
ہو جاتے اور اس کے دُنیا میں آنے کے ساتھ ہی اس کا
نام ونشان مٹا دینے کے لئے باپ کی جھوٹی غیرت اُسے
زیرِ خاک کر دینے کے بعد سکون کا سانس لیتی۔ اور اگر قسمت سے
وہ زندہ درگور ہونے سے بچ جاتی تو تمام عمر مظالم کا
تختۂ مشق بنی رہتی۔ اس زمانہ میں کوئی قانون رائج نہ تھا جو
اس ناتواں ہستی کی زبان دانی کا فرض ادا کر سکتا۔ باپ کے
مرجانے کے بعد اس کے بیٹے ماں کو فروخت کے قابل متاع
کی حیثیت دیتے۔ بیوی سے وہ سلوک بھی روا نہ رکھا جاتا
جو ادنیٰ ملازمین سے کیا جاتا ہے۔ صدیوں کی تلخیوں کے
بعد خدا تعالیٰ کی رحمت عورت کی آزادی کے لئے جوش میں
آئی اور عورت کی خون چکاں چیخ وپکار آخر رنگ لائی اور
رحمۃ للعالمین کا مبارک وجود ظہور میں آیا جس نے اس
ظلمت کو اپنے مقدس نور سے پاش پاش کر دیا۔ آپؐ عورت کی آزادی
کے لئے ایک مستحکم حصن ثابت ہوئے جس میں مظلوم عورت
نے پناہ لی۔ آپؐ نے آکر عورتوں کے حقوق قائم فرمائے۔
اور اس صنفِ نازک کے مقام کو عزت کے بلند مینار پر
قائم فرمایا۔ آپؐ نے دُنیا میں پہلی مرتبہ عورت کے ورثہ کو
قائم کیا۔ اور اپنے آخری وقت میں بھی اُمت کو عورتوں سے
حُسنِ سلوک کی وصیت فرماتے رہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جس
کے ہاں کوئی لڑکی پیدا ہو اور وہ اچھی طرح اس کی تربیت
اور پرورش کرے تو خدا تعالیٰ ایسے شخص پر اپنی جنت

واجب کر دیتا ہے۔

۱۳ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قافلے کے ساتھ جا رہے تھے۔ کسی نے اونٹوں کو تیز کرنے کے لئے ہانک دیا تو حضور نے فرمایا کہ اونٹوں کو آہستہ چلنے دو کیونکہ اونٹوں پر کچھ شیشیاں (یعنی عورتیں) ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کسی کو صدمہ پہنچ جائے۔

بیوگان کی دلداری اور اُن سے حُسنِ سلوک کا آپؐ کو اس قدر خیال رہتا تھا کہ آپؐ دوسروں کو اس بارے میں تلقین فرماتے رہتے اور بیوگان سے شادی کا ارشاد فرماتے۔ چنانچہ آپؐ نے گیارہ شادیاں کیں جن میں سوائے ایک یا دو کے سب کی سب شادیاں آپؐ نے بیوگان سے کیں۔ آپؐ کا یہ نمونہ بیوگان کے حق میں کس قدر رحمت کا موجب ہے۔

آپؐ نہ صرف انسانوں ہی کے لئے مجسمۂ رحمت تھے بلکہ آپؐ نے جانوروں تک کے لئے حُسنِ سلوک کی ہدایات فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ پہلی اُمتوں میں سے خدا تعالیٰ نے ایک عورت کو محض اس وجہ سے دوزخ میں ڈال دیا تھا کہ اس نے ایک بلّی کو بھوکی اور پیاسی رکھ کر مار دیا تھا۔ اسی طرح ایک بدکار عورت کو خدا تعالیٰ نے محض اس وجہ سے بخش کر جنت عطا کر دی کہ اس نے اپنے موزے کو دوپٹے کے ساتھ باندھ کر ایک کنوئیں سے پانی نکالا تھا اور پیاس سے سسکتے ہوئے ایک کُتے کو پانی پلا کر اس کی جان بچائی تھی۔ ایک دفعہ آپؐ نے دیکھا کہ لوگ گدھے کے مُنہ پر شناخت کیلئے لوہا گرم کر کے داغ دے رہے ہیں۔ آپؐ نے منع فرمایا کہ چہرہ ایک نازک جگہ ہے وہاں داغ نہ لگایا کرو بلکہ اس کے لئے پیٹھ کا حصہ مناسب جگہ ہے۔ ایسے ہی ایک دفعہ آپؐ باہر تشریف لے گئے وہاں دیکھا کہ ایک فاختہ بے چینی سے اپنے گھونسلے کی طرف آتی اور جاتی ہے آپؐ کی نظر فوراً بھانپ گئی کہ کسی نے اس کو تکلیف پہنچائی ہے۔ چنانچہ آپؐ کے صحابہؓ سے دریافت فرمانے پر معلوم ہوا کہ حاضرین میں سے کسی نے اس کے گھونسلے سے انڈے اٹھا لئے ہیں۔ آپؐ نے حکم فرمایا کہ انڈوں کو اس کی جگہ پر رکھ دیا جائے جس کی تعمیل پر فاختہ چین اور سکون سے اپنے گھونسلے میں جا کر بیٹھ گئی۔ اسی طرح ایک دفعہ آپؐ نے دیکھا کہ کوئی آدمی زندہ مرغی کو بے دردی کے طریقہ سے مار کر ذبح کر رہا ہے آپؐ نے اس طریق سے ذبیحہ کو منع فرمایا اور مناسب طریقہ (جو اب رائج ہے) سے ذبح کرنے کی ہدایت فرمائی۔

غرض آپؐ کی حیاتِ طیبہ ایسے ہی اخلاقِ فاضلہ سے بھرپور ہے۔ ہر کوئی علیٰ قدرِ مراتب آپؐ کے اخلاق اور روحانیت کے سمندر سے غوطہ زن ہو کر موتی اکٹھے کرتا ہے اور اپنی آخرت کی پونجی سے مالا مال ہوتا ہے۔ پاک کا یہ مرد واقعی بے مثل انسان تھا۔ آپؐ ہر خُلق میں تا قیامت دُنیا کی رہبری کرتے ہیں۔ آپؐ کا حلم، عشقِ الٰہی، غنا، توکّل اور استقلال اور آپؐ کی جرأت، سخاوت، بہادری، بُردباری، عفت، سچائی اور قوّتِ برداشت، آپؐ کی قربانیاں، آپؐ کا فقر اور آپؐ کی بادشاہت غرضیکہ آپؐ کا ہر خُلق اور ہر حالت ایک نرالی شان اپنے اندر رکھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ۵

محمدؐ ہی نام اور محمدؐ ہی کام

علیک الصلوٰۃ علیک السلام

محمد مصطفےٰ ﷺ کے واسطے

(۱)

(از جناب کیپٹن خادم حسین صاحب خادم)

عزّت و دولت تو ہے دارِ فنا کے واسطے
کیا کیا ہے آپ نے روزِ جزا کے واسطے

کس لئے مدہوش ہو سوتے ہو گہری نیند کیوں
قوم کی کچھ بہتری سوچو خُدا کے واسطے

بڑھ رہے ہیں چاروں جانب دشمنِ دینِ خدا
تم بھی ہاں! اُٹھو محمد مصطفےٰؐ کے واسطے

جان و دل شان و شکوہ عیش و طرب جاہ و حشم
ہدیۂ ناچیز ہیں دینِ ہُدیٰ کے واسطے

بارگاہِ حق میں ہے خادم کی ہر دم التجا
ہو عمل، احساس ہو، ہر پُر خطا کے واسطے

فتح مکہ کے حالات

(از مکرم ڈاکٹر عبد الحمید صاحب چغتائی ۔ لاہور)

صلحنامہ حدیبیہ کی رُو سے قبائل عرب کو اختیار حاصل تھا کہ وہ مسلمانوں یا قریش مکہ میں سے کسی کیساتھ جسے وہ پسند کریں معاہدہ کر لیں۔ چنانچہ قبیلہ خزاعہ نے مسلمانوں کے ساتھ اور قبیلہ بنو بکر نے قریش کیساتھ معاہدہ کر لیا۔

ڈیڑھ سال تک تو خیر گذری۔ اسکے بعد بنو بکر نے کسی پرانی عداوت کی بناء پر قبیلہ خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے بھی انکی حمایت کی۔ وجہ یہ تھی کہ قریش پہلے ہی قبیلہ خزاعہ سے ناراض تھے کہ انہوں نے مسلمانوں کیساتھ اپنا گٹھ جوڑ کیوں کیا ہے اسلئے بنو بکر اور قریش نے مل کر قبیلہ خزاعہ کے لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیا یہانتک کہ جب انہوں نے خانہ کعبہ میں پناہ لی تو وہاں بھی انکو نہ چھوڑا اور حرم میں بھی ان کا خون بہاتے رہے۔ چنانچہ قبیلہ خزاعہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حالات سے آگاہ کیا اور اپنے معاہدہ کی بناء پر حضور انورؐ سے مدد کی درخواست کی۔ حضورؐ نے جب ان کی مظلومی کا حال سُنا تو بہت رنجیدہ ہوئے اور فوراً قریش کے پاس اپنا ایک قاصد بھیجا کہ وہ ان حرکات سے باز آجائیں اور ان تین شرائط میں سے کسی ایک کو قبول کر لیں۔

اول۔ خزاعہ کے جو لوگ مارے گئے ہیں ان کا خون بہا ادا کریں۔

دوم۔ قریش بنو بکر کی حمایت نہ کریں۔ یا

سوم۔ اس بات کا اعلان کر دیں کہ حدیبیہ کا صلح نامہ آج سے کالعدم ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد جب پہنچا تو حضورؐ کا پیغام سُن کر قریش میں سے ایک شخص قرطہ بن عمر نے کہا کہ ہمیں تو صرف تیسری شرط منظور ہے۔ چنانچہ یہ جواب سُنکر قاصد واپس ہو گیا۔ مگر اسکے واپس جانے پر قریش کو اپنے فیصلہ پر افسوس ہوا اور انہوں نے ابوسفیان کو سفیر بنا کر مدینہ بھیجا کہ وہ صلحنامہ حدیبیہ کی تجدید کرا لائیں۔ چنانچہ ابوسفیان حاضر ہوا مگر اس کی باتوں سے حضورؐ کو اطمینان نہ ہوا اور قریش کے رویہ کے پیش نظر حضورؐ نے اسکی تجویز کو رد فرما دیا۔

اب وقت آن پہنچا تھا کہ خانہ کعبہ کو بُت پرستی کی تمام ناپاکیوں سے پاک کر دیا جائے۔ چنانچہ حضورؐ نے ان تمام قبیلوں کے پاس جنگی تیاری کے پیغام بھیجے جن سے حضورؐ معاہدہ فرما چکے تھے۔ ہاں حضورؐ نے اس بات کی احتیاط فرمائی کہ مکہ والوں کو اسکی خبر نہ ہو۔ مگر حاطب بن ابی بلتعہ نے جو حضورؐ کے ایک صحابی تھے قریش مکہ کو ایک خفیہ خط لکھ دیا کہ حضرت نبی کریمؐ مکہ پر حملہ کی تیاری فرما رہے ہیں۔

حضورؐ کو جب اس کا علم ہوا تو حضورؐ نے حضرت علیؓ کو فوراً اس قاصد کے پیچھے روانہ فرمایا تاکہ اس سے یہ خط چھین لیں۔ چنانچہ یہ خط پکڑا گیا اور حضرت علیؓ نے یہ خط حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ یہ خط جب پڑھا گیا تو حضرت عمرؓ اٹھے اور عرض کی کہ اگر حضور اجازت دیں تو میں حاطب کی گردن

اُڑادوں۔ مگر حضورؐ نے فرمایا کہ یہ بدری صحابی ہیں۔ پھر
حاطب بن ابی بلتعہ سے استفسار فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا
تھا؟ اس نے عرض کی کہ میرے عزیز مکہ میں ہیں اور کوئی اُن کا
حامی و مددگار نہیں۔ میں نے چاہا تھا کہ قریش پر اس اطلاع سے
احسان کروں تاکہ وہ میرے عزیزوں کو نقصان نہ پہنچائیں۔
حضورؐ نے اس عذر کو قبول فرما کر اُسے معاف کر دیا۔

غرض جب سب تیاریاں مکمل ہوگئیں تو آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے ۱۰ ماہ رمضان سنہ ۸ھ کو مکہ کی طرف کوچ کا حکم
دیا۔ دس ہزار جاں نثاروں کا شاندار لشکر ساتھ تھا۔
راستے میں عرب کے دوسرے قبائل بھی شامل ہوتے جاتے تھے۔

اسلامی لشکر جب مکہ کے پاس پہنچا تو ابوسفیان جو
چھپ کر اسلامی لشکر کا اندازہ کر رہا تھا گرفتار کر لیا گیا۔
جب اسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو
حضرت عمرؓ نے ابوسفیان کی گردن مارنے کی اجازت چاہی
مگر حضرت عباسؓ نے انکی جان بخشی کی درخواست کی چنانچہ
حضورؐ نے ابوسفیان جیسے دشمن کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ جاؤ
اللہ تمہیں معاف کرے لیکن ابوسفیان باوجود اجازت کے
مکہ واپس نہ گیا بلکہ وہیں دینِ اسلام کو قبول کر لیا۔ اب حضورؐ
نے حضرت عباسؓ کو ارشاد فرمایا کہ ابوسفیان کو کسی قریبی
پہاڑی پر کھڑا کر دیا جائے تاکہ وہ اسلامی فوج کا نظارہ دیکھیں۔

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالدؓ بن ولید کو
حکم دیا کہ تم مکہ کی ایک جانب سے داخل ہو لیکن کسی کو قتل نہ
کرنا۔ اور خود حضورِ انور دوسری جانب سے داخل ہوئے
خالدؓ کی فوج کے مقابلہ میں کچھ قریش قبیلوں نے
تیر برسائے جس سے مسلمانوں کے دو آدمی کرزبن جابر فہری اور
حبش بن اشعر شہید ہوگئے۔ خالدؓ نے بھی جوابی حملہ کر دیا اور
کفارِ مکہ کے ۱۳ افراد قتل ہوئے اور باقی بھاگ گئے۔

دوسری طرف سے انصار کا قبیلہ نہایت تیز گامی سے
نکلا۔ ابوسفیان نے حضرت عباسؓ سے پوچھا کہ یہ کونسا دستہ
ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ انصارِ مدینہ کا۔ اس دستہ کے علمبردار
سعد بن عبادہ تھے۔ جب انہوں نے ابوسفیان کو دیکھا تو بلند
آواز سے کہا کہ آج تو گھمسان کی جنگ ہوگی۔ سب سے آخر
حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری گذری جس کے
علمبردار حضرت زبیر بن العوام تھے۔ جب حضورؐ کی
سواری ابوسفیان کے سامنے آئی تو اس نے حضورؐ کو
مخاطب کر کے سعد بن عبادہؓ کی بات کو دہرایا۔ اس پر
حضورؐ نے فرمایا کہ نہیں۔ سعد نے یہ بات جوش میں کہی ہے
آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خالد بن ولید کے
حملے کی اطلاع پہنچی تو حضورؐ نے ان سے باز پرس کی۔
اور جب اصل حالات معلوم ہوئے تو فرمایا کہ قضاءِ الٰہی یہی تھی۔
حضور مکہ میں کسی مزاحمت کے بغیر داخل ہوتے تھے۔
اور حضورؐ کے لشکر نے کسی کو قتل نہ کیا تھا۔ چنانچہ جب
حضورِ انور مکہ میں داخل ہوئے تو یہ اعلان فرمایا۔

جو شخص اپنے گھر کے اندر کواڑ بند کر کے بیٹھا ہے
اُسے امان ہے۔
جو شخص ہتھیار ڈال دے اُسے امان ہے۔
جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اُسے امان ہے۔
جو شخص خانہ کعبہ میں پناہ لے اُسے امان ہے۔

لیکن اس اعلان سے چھ یا سات اشخاص کو مستثنیٰ فرما دیا

جو اسلام کی مخالفت میں بہت پیش پیش تھے اور جن کا قتل کر دینا ہی ضروری تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد حرام میں داخل ہوئے تو عثمان بن طلحہ سے جو کلید بردار تھے کنجی طلب فرمائی اور خانہ کعبہ کا دروازہ کھولا۔ پھر حضرت بلالؓ و حضرت طلحہؓ کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ تکبیریں کہیں۔ خانہ کعبہ کا طواف فرمایا۔ پھر مقام ابراہیمؑ پر نماز ادا فرمائی۔ گویا یہ فتح مکہ کا جشن تھا۔

اب حضورؐ نے حکم دیا کہ خانہ کعبہ کے تمام بت نکال کر پھینک دیئے جائیں۔ اسوقت حرم میں ۳۶۰ بت موجود تھے۔ دیواروں پر تصویریں بنی ہوئی تھیں یہ سب حضرت عمرؓ نے مٹا دیں۔

خانہ کعبہ کے اندر سب سے بڑا بت ہبل تھا جو بت پرستوں کا خدائے اعظم تھا۔ یہ انسان کی صورت اور یاقوت سرخ کا بنا ہوا تھا۔ یہ بت حضورؐ کے حکم سے توڑ ڈالا گیا۔ مکہ کے اطراف میں بھی بہت بڑے بڑے بت تھے۔

لات طائف والوں کا۔ عزیٰ قریش کا۔ منات مکہ سے سات میل کے فاصلہ پر اوس اور خزرج وغیرہ کا بت تھا۔ سواع قبیلہ ہذیل کا بت تھا۔ یہ سب بت برباد کر دیئے گئے۔

اس کام سے فراغت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا:۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ صَدَقَ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ اَلَا کُلُّ مَاثِرَۃٍ اَوْ دَمٍ اَوْ مَالٍ فَھُوَ تَحْتَ قَدَمَیَّ ھَاتَیْنِ اِلَّا سِدَانَۃَ الْبَیْتِ وَسِقَایَۃَ الْحَاجِّ یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَذْھَبَ عَنْکُمْ نَخْوَۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ وَتَعَظُّمَھَا بِالْاٰبَاءِ اَلنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَ اٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ۔ اِنَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ حَرَّمَ بَیْعَ الْخَمْرِ۔

یعنی "خدائے واحد کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اُس نے اپنا وعدہ سچا کیا۔ اس نے اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام جتھوں کو خود توڑ دیا۔ آج تمام مفاخر اور تمام قدیم خون بہا اور مال کے بدلے میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہیں۔ صرف حرم کعبہ کی تولیت اور حجاج کا پانی پلانا اس سے مستثنیٰ ہے۔ اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا فخر خدا نے مٹا دیا۔ تمام آدمی آدمؑ کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لوگو! میں نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے کہ آپس میں ایکدوسرے سے پہچان لئے جاؤ۔ لیکن خدا کے نزدیک شریف اور اکرم وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ خدا ہی جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اُسکے رسول نے شراب کا بیچنا اور خریدنا حرام کر دیا ہے۔"

خطبہ کے بعد حضورؐ نے مجمع کیطرف دیکھا تو اُن میں قریش کے وہ سردار بھی تھے جنہوں نے اپنا پورا زور اسلام کے مٹانے میں صرف کر دیا تھا۔ وہ بھی تھے جو حضورؐ کے ساتھ سخت کلامی و بدزبانی کرتے تھے۔ وہ بھی تھے جنہوں نے حضورؐ پر تیر برسائے۔ وہ بھی تھے جنہوں نے حضورؐ کی راہ میں کانٹے بچھائے۔ وہ بھی تھے جنہوں نے حضورؐ کی ساق مبارک اور

ایڑیوں کو پتھر مار مار کر لہولہان کیا تھا۔ وہ بھی تھے جو حضورؐ کے خون کے پیاسے تھے۔ وہ بھی تھے جنہوں نے مدینہ منورہ پر بڑے بڑے حملے کئے تھے۔ وہ بھی تھے جنہوں نے مسلمانوں کو بڑی بڑی اذیتیں دی تھیں اور مسلمانوں کو اس قدر ستایا تھا کہ وہ اپنا وطن عزیز چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ وہ بھی تھے جنہوں نے مسلمانوں کی جائدادوں پر قبضہ کر لیا تھا وغیرہ۔ حضور انورؐ نے ان سب کی طرف دیکھا اور پوچھا کہ آج تم جانتے ہو کہ اب میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں۔ یہ سب بول اُٹھے۔ آپ شریف ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔ یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا:۔

لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء

آج تم پر کوئی پکڑ دھکڑ نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔

اسکے بعد حضورؐ نے مہاجرین کو حکم دیا کہ وہ اپنی مملوکہ زمین اور مکانات سے دست بردار ہو جائیں۔

نماز کا وقت آیا تو حضرت بلالؓ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی۔ پھر حضورؐ مقام صفا میں ایک بلند مقام پر تشریف فرما ہوئے۔ لوگ جوق در جوق آتے اور حضورؐ کے دستِ مبارک پر بیعتِ اسلام کرتے۔ مرد بیعت کر چکے تو عورتوں نے بیعت کی۔ ہندہ زوجہ ابوسفیانؓ بھی چھپ کر آ گئیں اور بیعت کر لی۔ حضورؐ نے اسے بھی معاف فرما دیا۔

فتح مکہ کے موقع پر قریش کے دس سردار مختلف مقامات کی طرف بھاگ گئے۔ صفوان بن امیہ جدہ بھاگ گیا۔ عمیرؓ بن وہب نے اسکی بابت سفارش کی تو حضورؐ نے اس کو امان دیدی اور علامت کیلئے اپنا عمامہ عنایت فرمایا۔ عمیرؓ گئے اور اسے لے آئے۔ آنے کے بعد تو وہ مسلمان نہ ہوا مگر معرکہ حنین کے بعد ایمان لے آیا۔

عبداللہ بن زبعری عرب کا مشہور شاعر جو حضورؐ کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا اور قرآن مجید میں عیوب نکالا کرتا تھا نجران بھاگ گیا مگر کچھ دن بعد آ کر ایمان لے آیا۔

ابوجہل کا لڑکا عکرمہ یمن چلا گیا۔ اسکی بیوی نے حضورؐ سے امان حاصل کر لی اور اس کو یمن سے لے آئی وہ بھی آ کر مسلمان ہو گیا

فتح مکہ کے بعد حضورؐ مکہ میں پندرہ دن تک قیام پذیر رہے۔ جب حضورؐ یہاں سے جانے لگے تو معاذؓ بن جبل کو اس خدمت پر مقرر فرمایا کہ نئے مسلمانوں کو اسلام کے مسائل اور احکام سکھائیں۔

فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والوں کی تعداد کثیر در کثیر ہو گئی۔ وجہ یہ تھی کہ بہت سے قبائل کی رائے تھی کہ مسلمانوں کا مکہ پر قابض ہو جانا ہی صحیح نشان ہے ان کی صداقت اور مقبولیت الٰہی کا۔ اور سینکڑوں سالوں سے یہ قومی روایت ان میں چلی آتی تھی کہ مکہ پر کوئی شخص فتح نہیں پا سکتا جس کے ساتھ نصرت الٰہی نہ ہو۔ —

فیقولون اترکوہ و قومہٗ فانہٗ ان ظھر علیھم فھو نبیٌّ صادقٌ۔

وہ کہا کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم سے سلجھ لینے دو۔ اگر وہ اپنی قوم پر غالب آ گئے تو ضرور سچے نبی ہیں"

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

(۷) ہدایاتِ سرورِ کائنات دربارۂ غزوات

(از جناب قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل)

جنگ کے بارے میں احکامِ رسولؐ — صدقِ دل سے مومنو! کر لو قبول

گر امورِ مذہبی میں جبر ہو — اور ناممکن تمہارا صبر ہو

ہو اشاعت دیں کی دشمن سے بند — اور پہنچتا مال و جاں کو ہو گزند

کر دے حملے کی مخالف ابتداء — اور وہ توڑے ستم لا انتہاء

تو لڑائی کی اجازت ہے تمہیں — اور حملے کی بھی رخصت ہے تمہیں

ہاں مگر بھولو نہیں غیر از امام — خود بخود کرنا نہ جنگی اہتمام

جب لڑائی ہو تو صرف اُن پر ہو وار — جو کہ تم سے کر رہے ہوں کارزار

بچوں بوڑھوں عورتوں کو چھوڑ دو — رحم سے ٹوٹے دلوں کو جوڑ دو

باغ یا سرسبز پھل والے درخت — ہے اُجاڑنے کی مناہی اُن کی سخت

ہر عبادت گاہ کا ہو احترام — شہریوں کا ہو نہ ہرگز قتلِ عام

مُثلہ کرنا منع ہے ایسا نہ ہو — اور دُشمن سے کبھی دھوکا نہ ہو

حملہ ہو آگاہ کر دینے کے بعد — صُلح کی کوشش بھی کر لینے کے بعد

مُدعا یہ ہے ضمیر آزاد ہو — خانۂ دیں صدق سے آباد ہو

نعش کی بے حرمتی جائز نہیں — دیکھنا۔ ایسا نہ کر بیٹھیں کہیں

خادمانِ دیں کی تم عزت کرو — ان میں سے کوئی بھی بے حرمت نہ ہو

صلح کا پیغام دیں تو مان لو!
خواہ اس میں کتنا ہی نقصان ہو

قیدیوں سے چاہیئے حسنِ سلوک
عفو کرنا ہو گی ان کی بھول چوک

کام تھوڑا اور اچھا ہو طعام
فدیہ دے کر چھوٹ سکتے ہیں تمام

فتح کر کے منع ہے غارت گری
لوٹنا جائز نہیں ہوگا کبھی

مشرکوں سے جو کوئی مانگے پناہ
اس کو دِکھلا دو تم اس کے گھر کی راہ

جو کہے اسلام لایا۔ مان لو!
یہ نہیں بے وجہ جھوٹا جان لو

اعتبار اس کی زباں پر ہو وہیں
چیر کر دل دیکھنا ممکن نہیں

الغرض ہر طرح سے ہو احتیاط
لازمی ہے مومنوں کو احتیاط

عہد ناموں کی ہے پابندی ضرور
کیونکہ غادر۔ رحمتِ حق سے ہے دور

ان کے اِک اِک لفظ کو پورا کرو
خواہ کچھ نقصان ہی دنیا میں ہو

جزیہ ہے حقِ حفاظت۔ اس لئے
ذِمیوں سے اس کو لینا چاہیئے

اب تو دِینی جنگ کا ہے خاتمہ
یعنی اگلے رنگ کا ہے خاتمہ

امن کا شہزادہ مہدیؑ آچکا
اور جھنڈا صلح کا لہرا چکا

رہ گیا تبلیغ کا اکبر جہاد
اس میں حصہ جوش سے لیں سب عباد

دیں دلائل سے مسائل کا جواب
تا نہ رہنے پائے باقی اِرتیاب

مال و جاں حاضر کریں سب شاد شاد
کام یہ ہے دونہ خرط القتاد

پیش کش اکمل کی با شوق و شغف
گر قبول افتد زہے عز و شرف

(۱۱) اخلاقِ خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام

(از جناب چوہدری احمد الدین صاحب پلیڈر گجرات)

سرتاج انبیاء علیہ التحیۃ والثناء کا نام محمد جس کے معنے ممدوح، ستودہ اور بہت تعریف کیا گیا ہیں چار جگہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ (۳/۱۳۸، ۳۳/۴۰، ۴۷/۳، ۴۸/۲۹)

یہ نام الٰہی تحریک سے آپ کے دادا عبد المطلب نے رکھا۔ خداوند عالم کی اٹل تقدیر یہ تھی کہ اس مقدس اسم کے مسمّی کی اتنی تعریف اور توصیف کی جائے کہ اتنی تعریف و توصیف نہ تو دنیا میں پہلے کسی کی ہوئی اور نہ آئندہ کسی کی ہوگی۔ گویا اس نام میں یہ پیشگوئی تھی کہ اس کے مسمّی کی ذات ستودہ صفات کی بے حد و غایت ثنا کی جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔ آپ کی تعریف جلیل القدر بادشاہوں، لاثانی حکماء و علماء، اور اولیاء کرام نے کی۔ اہلِ اسلام نے بے شمار کتب مختلف علوم اور مختلف زبانوں میں لکھیں۔ شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہوگی جس میں آپ کی سچی مدح سرائی نہ کی گئی۔ ہر شعرائے عرب و عجم نے آپ کی نعت میں اپنی طبع سلیم کے وہ جوہر دکھائے۔ کہ انسان دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے اس بارہ میں جامی، خاقانی، نظامی، عرفی، جامی اور امیر خسرو دہلوی خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ اردو زبان کے نامور شعراء نے بھی آپ کی تعریف میں کمی نہیں کی۔ اس عہد میں حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود نے عربی فارسی اور اردو زبان میں آپ کی اس قدر سچی اور حقائق و معارف سے پر تعریف کی ہے۔ کہ اس کی نظیر متقدمین اور متاخرین کے کلام میں نہیں ملتی۔ جب آپ نے الٰہی ارشاد سے دعویٰ نبوت کیا۔ تو ملک عرب میں قوم قریش سے تین معزز ہستیاں تھیں۔ ان میں سے دو یعنی ابوجہل اور ابوسفیان آپ کے قریبی یک جدّی اور جانی دشمن اور مخالف تھے۔ جنہوں نے آپ کو اور آپ کے متبعین کو اپنے وطنِ عزیز سے نکال دینے میں سب سے زیادہ حصہ لیا۔ اور ایک آپ کے حقیقی چچا ابوطالب تھے۔ جو اگرچہ آپ کے ممد اور معاون تھے مگر قوم کے ڈر سے ان کو آپ پر ایمان لانے کی سعادت نصیب نہ ہوئی تھی یہ تینوں سردارانِ قریش آپ کے اعلیٰ اخلاق راستبازی اور قومی شرافت و نجابت کے قائل تھے۔

ابوطالب کا مندرجہ ذیل شعر جو اس نے آپ کی تعریف میں کہا ہے۔ قابل غور ہے۔

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ
ثمال الیتامیٰ عصمۃ للارامل

ترجمہ:۔ وہ سفید جسم والا (محمدؐ) جس کے چہرہ سے سفید بادل سیرابی اور فیض یابی کی

خواہش رکھتا ہے۔ یتیموں کا ماویٰ وملجاء
اور بےکس بیوگان کا حامی اور حمایت
پناہ ہے۔"

ابوجہل کا قول ہے:-

ما نکذبک لکن نکذب ماجئت به

ترجمہ:- اے محمدؐ ہم تم کو جھوٹا نہیں کہتے لیکن تیری پیش کردہ تعلیم کو جھوٹ سمجھتے ہیں۔

ان محمد الصادق وما کذب

ترجمہ:- بے شک محمدؐ سچا ہے۔ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

جب سلمان آپؐ کا مشہور خط لے کر ہرقل شاہ روم کے پاس گئے۔ تو وہاں ابوسفیان بھی شہادت کے لئے بلائے گئے۔ اور شاہ ہرقل کے سوال کے جواب میں اس کو آپؐ کی قبل از وقت نبوت پاک زندگی راستبازی اور خاندانی شرافت اور نجابت کا اقرار کرنا پڑا۔

بچپن کی حالت میں آپ دایہ حلیمہ کے زیر پرورش تھے۔ جو کہ سے باہر رہتی تھی۔ ایام شیر خوارگی کے اختتام پر آپ چلنے پھرنے لگ گئے تو وہ آپؐ کو آپؐ کے جد امجد عبدالمطلب کے سپرد کرنے کے لئے مکہ میں لائی پہلے وہ کعبہ میں آئی۔ اور جب مقام حطیم کے پاس پہنچی تو اس کو غیب سے آواز آئی۔ کہ اے حطیم تجھ پر ایک بہت بڑا سورج طلوع ہوا ہے۔ یہ آواز پے درپے آرہی تھی۔ حلیمہ یہ غیر معمولی آواز سن کر حیران ہوگئی۔ آپؐ کو وہاں بٹھا کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ مگر کوئی آواز دینے والا نظر نہ آیا۔ اپنی جگہ پر واپس آئی۔ تو وہاں آپؐ کو موجود نہ پایا۔ بہتیرا ڈھونڈا۔ کہیں سراغ نہ ملا۔ تو پریشانی کی حالت میں رونے لگی۔ ایک بت پرست بوڑھے آدمی نے حال دریافت کیا۔ جب اس پر حقیقت واضح ہوئی تو اس نے کہا۔ پریشان نہ ہو۔ میں تم کو بت عزیٰ کے پاس لے چلتا ہوں۔ وہ تیری مشکل کشائی کردے گا۔ اس کے پاس درخواست کی جائے تو گم شدہ آدمی مل جاتا ہے۔ وہ حلیمہ کو بت عزیٰ کے پاس لے گیا۔ اس بوڑھے نے بت عزیٰ کے آگے سجدہ کرکے کہا۔ کہ اس عورت کا بچہ محمد گم ہوگیا ہے۔ تو اس کا پتہ دے۔ محمد کا نام سن کر سب بت سرنگوں ہوکر گر پڑے۔ یہ ماجرا دیکھ کر حلیمہ مایوس اور حیران ہوگئی۔ اس نے سمجھا کہ آپؐ کو آسمان کے غیبی فرشتے اٹھا کر لے گئے ہیں۔ وہ کعبہ سے باہر نکلی تو آپؐ کے جد امجد عبدالمطلب بھی واقعہ سنکر وہاں جا پہنچے باوجود تلاش کے کوئی پتہ نہ ملا۔ تو انہوں نے بیت اللہ کے دروازہ پر جا کر یہ دعا مانگی کہ اے خداوند اگرچہ محمد ہم میں سے ہے۔ مگر وہ بلحاظ ذاتی اوصاف اور آثار سعادت کے جو اس کے چہرہ سے ہویدا ہیں۔ ہم سے مشابہ نہیں ہے۔ وہ کچھ اور ہی بیش بہا چیز ہے۔ چونکہ وہ تیرے لطف وکرم کا حامل ہے۔ میں اسی کو شفیع بنا کر تیری درگاہ میں عرض کرتی ہوں۔ کہ اس کا پتہ دے۔ وہ یہ دعا مانگ ہی رہے تھے کہ غیب سے آواز آئی کہ محمد فلاں وادی میں فلاں درخت کے نیچے ہے وہاں تم کو مل جائے گا۔ وہ مکہ کے سردار تھے۔ مکہ کے امراء کو ساتھ لے کر وہاں پہنچے۔ تو وہاں آپؐ ان کو مل گئے۔

مولانا جلال الدین رومیؒ نے جو کوئی بات بغیر سند قرآن و حدیث کے نہیں لکھتے اپنی مشہور کتاب مثنوی میں یہ واقعہ لکھا ہے۔ (جلد ۳ صفحہ ۲۵ تا صفحہ ۲۷)

نوشیروان عادل شہنشاہِ ایران اپنی اخیر عمر میں ایک رات بارگاہِ خداوندی میں دُعا مانگتا ہوا سو گیا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک سورج رات کے وقت نکلا ہے۔ اس کے سامنے ایک چالیس پایوں والا بلند زینہ جس کا سرا آسمان کے ستارۂ زُحل تک پہنچا ہوا ہے۔ وہ سورج حجاز سے آیا ہے۔ اس نے اس زینہ پر چڑھنا شروع کیا ہے۔ تمام جہان اس سے روشن ہو گیا ہے مگر شاہی محل تاریک رہا ہے۔ یہ خواب دیکھ کر نوشیرواں آدھی رات گئے اُٹھ کھڑا ہوا مگر اس نظارہ کا ذکر کسی شخص کے آگے نہ کیا۔ صبح ہوئی تو اپنے وزیر بزرجمہر کو جو خوابوں کی تعبیر میں ید طولیٰ رکھتا تھا اور اسی علم تعبیرِ خواب کے ذریعہ سے اس نے وزارت کا عہدۂ جلیلہ حاصل کیا تھا، بلایا اور اس کے سامنے اپنی خواب کی سرگزشت بیان کی اور اس سے اس کی تعبیر پوچھی۔ وزیر نے پوری توجہ اور غور و خوض کے بعد کہا کہ اس واقعہ میں ایک پوشیدہ راز ہے جس کا اظہار مناسب نہیں ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ سچی بات بیان کرنے میں کوتاہی نہ کر۔ مجھے اس خواب سے ایک جانکاہ فکر لگ رہی ہے۔ تب بزرجمہر نے کہا کہ آج کی تاریخ سے چالیس سال کے بعد عربوں میں سے ایک بزرگ ظاہر ہوگا۔ وہ راہِ راست پر گامزن ہوگا۔ اور ہر ایک قسم کی بدی اور گناہ سے پاک ہوگا۔ وہ اپنی انگلی کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر دے گا اور دینِ زرتشت کو نابود کر دیگا۔ وہ سر پایہ تخت (منبر) پر جلوہ آرا ہوگا اور دُنیا کو اپنی بیش بہا نصائح سے بہرہ ور کریگا۔ اُس کے اِس جہان سے رحلت گزیں ہونے کے بعد تیرا ایک پوتا لاؤ لشکر اور ساز و سامانِ حرب سے آراستہ ہوگا۔ حجاز سے اس پر ایک سپاہ جس کے پاس اسلحہ اور جنگی ساز و سامان نہیں ہوگا اس پر حملہ کرے گی۔ اس کو تخت شاہی سے اُتار کر خاک میں ملا دے گی اور اس کے بہادر سپاہیوں کو فنا کے گھاٹ اُتار دے گی۔ آتش کدے سرد ہو جائیں گے۔ یہ پیشگوئی گشتاسپ شاہِ ایران کے وزیر جاماسپ نے کی تھی۔ (جاماسپ وہی عالم روحانیات ہے جس کی بابت زرتشت کی الہامی کتاب میں درج ہے کہ وہ آسمانوں کے بھیدوں کا جاننے والا ہے۔ (دیکھو دساتیر آسمانی صفحہ ۱۱۳)

نوشیرواں یہ تعبیر سُنکر دن بھر درد و غم میں مبتلا رہا۔ رات کو اسی حالت میں سو گیا۔ تین پہر رات گزری تو اس نے ایک ہولناک آواز سُنی اور کسی نے کہا کہ شاہی محل گر گیا ہے۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا اُسی وقت بزرجمہر کو بُلایا اور اس سے اس خواب کی تعبیر پوچھی۔ بزرجمہر نے کہا کہ کل رات کو جس سورج کو آپ نے دیکھا ہے وہ آج ماں کے پیٹ سے عرب میں پیدا ہو گیا ہے۔ اور ابھی آپ کو آتش کدہ کے سرد ہونے کی خبر پہنچے گی۔ وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ ایک سوار نے آ کر خبر دی کہ شاہی آتشکدہ

دفعتًہ سرد ہوگیا ہے۔ (دیکھو شاہنامہ فردوسی ص ۲۴-۲۵ جلد چہارم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد سے تھے جو شاہزادی ہاجرہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان عرب کے تمام خاندانوں سے زیادہ معزز اور ذی وقار تھا۔ آپؐ کے جد امجد عبد المطلب مکہ کے سردار اور محافظ کعبہ تھے۔ اس لحاظ سے ان کو بڑی وقعت اور عزت حاصل تھی۔ آپؐ یتیم تھے۔ اور آپؐ کے دادا ہی آپؐ کے ولی اور سرپرست تھے۔ نبی کا اعلیٰ خاندان سے ہونا ضروری ہوتا ہے۔ تاکہ قوم کے معززین کو اس کی پیروی اور نصائح پر کاربند ہونے سے عار نہ ہو۔ اور لوگوں کے دل اس کی طرف مائل ہوں۔

آپؐ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی اس دعا سے منصب رسالت پر فائز ہوئے تھے۔

(۱) رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ (۲/۱۲۳)	(۱) اے ہمارے رب ہماری ذریت میں سے ان میں ایک عظیم الشان رسول مبعوث کر۔ جو ان کو تیری آیات پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھائے اور انکے نفس کا تزکیہ کرے۔

آپ اعلیٰ اخلاق اور بے مثل نیک کردار کے مالک تھے جس سے آپ کے مخالفوں کو بھی انکار نہیں تھا۔ اس لئے وہ آپؐ کے کردار نیک اطوار و عادات و خصائل پر اعتراض نہیں کر سکتے تھے۔ حالانکہ آپ نے ان کے سامنے اپنے اعلیٰ اخلاق اور قبل از دعویٰ نبوت اپنی چالیس سالہ پاک زندگی کا اپنی صداقت اور منجانب اللہ ہونے کے ثبوت کے لئے بذریعہ آیات مندرجہ ذیل اعلان کیا۔

(۱) وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (۲۸/۲۹)	(۱) (اے پیغمبر) تو اعلیٰ درجے کے اخلاق کا حامل ہے۔
(۲) قُل لَّوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُم بِهِ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (۱۱/۱۲)	(۲) (اے پیغمبر) کہہ دے اگر خدا چاہتا۔ تو میں تم کو یہ قرآن پڑھ کر نہ سناتا۔ اور نہ وہ اسپر تم کو مطلع کرتا۔ دیکھو میں نے اپنی عمر کا کثیر حصہ تم میں گزارا ہے (تم میرے حالات اور اخلاق سے خوب واقف ہو) تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ (کہ ایسا شخص کس طرح جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر سکتا ہے)۔

اس اعلان کے بعد اگر آپؐ کے مخالفین کے خیال

میں معاذاللہ آپ کاذب ہوتے۔ تو وہ فوراً اعتراض کرتے اور کہتے۔ کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ تم میں فلاں فلاں اخلاقی عیب ہیں۔ نیز ان حالات کی موجودگی میں ایسے لوگ آپ پر ایمان نہ لاتے جنہوں نے اپنا تن من آپ پر قربان کر دیا۔ اور محض ایمان کی وجہ سے انواع واقسام کے مصائب اور مشکلات میں مبتلا ہوتے۔ مگر انہوں نے صبر و تحمل سے کام لیا۔ تمام تکالیف کو برداشت کیا اور فداکاری اور جانثاری کا وہ نمونہ دکھایا جس کی نظیر امم سابقہ میں نہیں ملتی۔ جتنا کوئی آپ کے زیادہ قریب تھا۔ اتنا ہی اس کا ایمان حالات کے مشاہدہ سے زیادہ پختہ اور مستحکم تھا۔

آپ بڑے متحمل، بردبار، نرم مزاج اور ارادت مندوں سے پیار کرنیوالے مہربان رحیم کریم مصیبت زدوں کی دستگیری کرنیوالے اور عفو و رحم کا مجسمہ تھے۔ جیسا کہ آیات ذیل سے ظاہر ہے۔

(۱) وَلَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (۹/۱۲۹)

(۱) تم میں سے تمہارے پاس رسول آیا۔ تمہاری تکلیف اس کو شاق گزرتی ہے۔ وہ تم سے محبت کرتا ہے۔ اور مومنوں پر مہربان اور رحیم وکریم ہے۔

(۲) فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۔ (۳/۱۵۲)

(۲) یہ خدا کا فضل و رحمت ہے کہ تو ان کے لئے نرم ہوگیا ہے۔ اگر تو تندمزاج اور سنگدل ہوتا تو تمہارا ساتھ چھوڑ کر تتر بتر ہو جاتے

حضرت بی بی عائشہ صدیقہ سے آپ کے اخلاق کی بابت پوچھا گیا۔ تو انہوں نے کہا کہ آپ ان تمام اخلاق کے حامل تھے۔ جو قرآن مجید میں درج ہیں۔

آپ کی رسالت سے پہلے اہل عرب میں جو برائیاں تھیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھی۔ کہ مدت ہائے دراز سے قبیلوں کے قبیلے آپس میں لڑ رہے تھے اور ایک دوسرے کے دشمن بنے ہوئے تھے۔ آپ کی قوت قدسی اور فیض روحانی کی برکت تھی۔ کہ وہ سب آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔ اور وہ سب عداوتیں مفقود ہو گئیں جو پشتہا پشت سے چلی آتی تھیں۔

(۱) كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا (۳/۹۸)

(۱) تم ایک دوسرے کے دشمن بنے ہوئے تھے خدا نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا۔ اور یہ خدا کا تم پر فضل تھا کہ تم آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔

آپ انصاف کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ اگر بطور ثالث یا حاکم کے آپ کو کسی دشمن قوم کے تنازعہ کے فیصلہ کا موقعہ ملتا۔ تو ہمیشہ عدل و انصاف سے فیصلہ کرتے۔ چاہے وہ فیصلہ کا اثر مسلمانوں کے

خلاف پڑتا۔ آپؐ نے جو معاہدات مخالفوں کے ساتھ کئے
آپؐ ان پر قائم رہے۔ چاہے ان معاہدات سے
نقصان پہنچا۔ آپؐ کا آیاتِ مندرجہ ذیل پر عمل تھا۔

(۱) وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (۵/۹)

(۱) کسی قوم کی دشمنی تم کو اس بات پر کبھی آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ تم ہمیشہ انصاف کرو۔ جو تقوےٰ کے بہت قریب ہے۔

(۲) وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (۵/۴۳)

(۲) اگر تم کو لوگوں کے مابین فیصلہ کرنے کے لئے حاکم ثالث بنایا جائے۔ تو خدا کا تم کو یہی حکم ہے کہ تم عدل و انصاف سے فیصلہ کرو۔

(۳) وَإِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ (۸/۴)

(۳) اگر مسلمان تم سے دین کے بارہ میں مدد مانگیں۔ تو ان کی مدد کرنا تمہارا فرض ہے بشرطیکہ وہ مدد کسی ایسی قوم کے خلاف نہ ہو جس کے ساتھ تم نے پختہ عہد کیا ہوا ہو۔

آپؐ کا خداوند عالم کے اس وعدہ پر کہ وَاللّٰہُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (خدا تم کو لوگوں سے
محفوظ رکھے گا) اس قدر یقین اور بھروسہ تھا۔ کہ آپ
جان کے خطرہ کے موقعہ پر بھی گھبراتے نہیں تھے۔ جب
آپ نے ہجرت کر کے صرف حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لیکر
غار ثور میں جا پناہ لی۔ تو دشمن سراغ رسانوں کو ساتھ
لے کر عین موقعہ پر پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ گھبرا گئے تو
آپ نے ان کو یہ کہہ کر تسلی دی۔ کہ غم نہ کرو۔ خدا ہمارے
ساتھ ہے۔ خدا نے ایسے قدرتی سامان پیدا کر دیئے
کہ مخالفین کو یقین ہو گیا۔ کہ آپؐ اس غار میں نہیں ہیں! وہ
وہ واپس ہو گئے۔ اور اس طرح آپ بخیر و عافیت
یثرب پہنچ گئے۔

(۱) إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا (۹/۴)

(۱) جبکہ وہ دونوں (آنحضرت اور ابوبکرؓ) غار میں تھے وہ (آنحضرت) اپنے ساتھی (ابوبکرؓ) کو کہہ رہا تھا۔ کہ غم مت کرو۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔

ایک فسق و فجور میں ڈوبی ہوئی قوم آپؐ کے تقدس
اعلےٰ اخلاق اور پاک نمونہ کو دیکھ کر تقوےٰ اور طہارت
کے بلند مقام تک پہنچ گئی۔ اور صحیح معنوں میں راستباز اور
خدا کی پرستار بن گئی۔

(۱) مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ

(۱) محمدؐ واقعی خدا کا فرستادہ ہے جو لوگ اس کے ساتھ ہیں وہ آپس میں

آپ اعلےٰ اخلاق

عَلَى الْكُفَّارِ	ایک دوسرے پر مہربان
رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ	ہیں اور اپنے اعلیٰ کردار
تَرَاهُمْ رُكَّعًا	اور یقین و اتقا کی وجہ سے
سُجَّدًا يَبْتَغُونَ	کفار کا اثر قبول نہیں
فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ	کرتے اور ان پر اپنا
وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ	اثر ڈالتے ہیں۔ اے
فِي وُجُوهِهِم	مخاطب! تو دیکھتا ہے
مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ	کہ وہ خدا کی درگاہ میں
(۴۸/۲۹)	جھکتے اور سجدہ کرتے
	ہیں۔ خدا کے فضل اور
	اسکی رضامندی کے
	خواستگار ہیں۔ خدا کی
	عبادت اور اطاعت
	کے نشان انکے چہروں
	پر نمودار ہیں۔

آپ کی عبادت اور خدا کی راہ میں اعلیٰ قربانی آپ کی حیات و ممات محض اللہ تعالیٰ کے لئے تھی اور کوئی نفسانی غرض وغایت مد نظر نہ تھی جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:-

(۱) قُلْ إِنَّ صَلَاتِي	(۱) اے رسول! کہہ دے
وَنُسُكِي وَ	میری نماز۔ میری قربانی
مَحْيَايَ وَمَمَاتِي	اور میری حیات و ممات
لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ۔	خدا کے لئے ہے جو تمام
(۶/۱۶۳)	دنیا کا رب ہے۔

آپ کی رواداری، وسعتِ حوصلہ اور ترحم کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ (دین میں کوئی جبر نہیں ہے) کے فرمانِ ایزدی پر آپ کا پورا عمل تھا۔ آپ نے نجران کے پادریوں کو اپنی مسجد میں نماز اور عبادت کی اجازت دیدی۔ اور پھر جب ان لوگوں نے آپ کے زیرِ سایہ زندگی بسر کرنا قبول کر لیا تو آپ نے ان کی درخواست پر ایک تاریخی فرمان لکھ دیا۔ جس کا ماحصل حسب ذیل ہے:-

"ان لوگوں کی جانوں اور مذہب اور اراضی اور مالوں کی حفاظت کی جائے گی۔ اور جس مذہب پر یہ قائم ہیں اس میں تبدل و تغیر نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ ان کے حق میں تبدیلی کی جائیگی۔ ان پر کوئی تہمت اور جھوٹا الزام نہیں لگایا جائے گا۔ اور نہ زمانہ جاہلیت کے کسی خون کا قصاص ان سے لیا جائیگا۔ ان کو تباہ نہیں کیا جائے گا اور نہ ان کی زمین پر لشکر کشی کی جائے گی۔"

آپ نے دختر کشی کی بے دردانہ رسم کو جو عرب میں جاری تھی اس ارشادِ خداوندی کے مطابق کہ لَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ (اپنی اولاد کو قتل مت کرو) یک قلم مٹا دیا اور عورت کو زوجہ کی حیثیت سے، والدہ کی حیثیت سے، دختر کی حیثیت سے، ہمشیرہ کی حیثیت سے اور نانی اور دادی کی حیثیت سے وارثِ جائداد متوفی قرار دیا۔

آپ نے غلاموں کی آزادی کی بنیاد رکھی اور نہ

مندرجہ ذیل احکام خداوندی کا اعلان کیا اور ان پر عمل کرایا:۔

(۱) جو قسم کو توڑے وہ غلام کو آزاد کرے $(\frac{5}{91})$

(۲) جو خطا سے کسی کو قتل کرے وہ غلام کو آزاد کرے $(\frac{4}{94})$

(۳) اپنی عورت کو ماں بہن کہہ بیٹھے تو غلام کو آزاد کرے $(\frac{58}{4})$

(۴) جس طرح بھوکے یتیم اور مسکین کو کھانا کھلانا کارِ ثواب ہے اُسی طرح غلام کو آزاد کرنا بھی ثواب ہے $(\frac{9}{12})$

(۵) غلاموں کا آزاد کرنا اصل نیکی ہے۔ $(\frac{2}{142})$

(۶) صدقات کا روپیہ غلاموں کی آزادی پر خرچ کیا جائے۔ $(\frac{9}{60})$

چونکہ آپؐ کا جسمانی بیٹا کوئی نہ تھا اسلئے دشمن کہتا تھا کہ آپ ابتر (بے اولاد) ہیں۔ اور کہ آپؐ کی وفات کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ آپؐ کو اس قدر برکات اور خیر کثیر دیا گیا ہے کہ آپؐ کے بعد آپؐ کے سچے متبعین آپؐ کے رُوحانی فیوض کے رہتی دُنیا تک وارث ہونگے۔ اور وہ رُوحانی بیٹے کہلائیں گے۔ جسمانی بیٹوں کا سلسلہ تو ختم ہو سکتا ہے مگر رُوحانی بیٹوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔ آپؐ سراج منیر تھے۔ یعنی ایسے چراغ تھے جس سے اور چراغ بھی روشن ہو سکتے تھے۔ چنانچہ آپؐ کی اتباع سے آپؐ کے پیرو اب تک روحانی فیوض سے دُنیا کو روشنی پہنچا رہے ہیں ٭

ریویو

احادیث الاخلاق

مکرم مولوی غلام باری صاحب سیف پروفیسر جامعۃ المبشرین نے احادیث نبویہ کا ایک انتخاب کر کے مع ترجمہ مختصر تشریح شائع کرایا ہے۔ رسالہ مفید ہے۔ احباب دفتر مرکزیہ خدام الاحمدیہ ربوہ سے طلب فرمائیں۔

احمدیت کی "ننھی کتاب" کا سلسلہ

مکرم ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم نے اپنے مخصوص انداز میں بچوں کیلئے یہ سلسلہ کتب لکھا ہے مضمون کیساتھ تصویریں بھی دیگئی ہیں۔ بچوں کی تعلیم کیلئے بہت مفید رسالے ہیں۔ ملنے کا پتہ:۔ اسلم اینڈ سنز ربوہ۔

اسلام کی کتابیں

تعلیم عقائد کیلئے یہ مفید کتابیں مکرم مہاشہ فضل حسین صاحب مالک احمدیہ کتابستان ربوہ نے شائع کی ہیں جو مکرم چوہدری محمد شریف صاحب سابق مبلغ فلسطین کی تصنیف کردہ ہیں۔ یہ کتابیں بھی بہت مفید ہیں۔ "احمدیہ کتابستان" ربوہ سے مل سکتی ہیں۔

احمدیہ جنتری

حسب دستور مکرم میاں محمد یامین صاحب تاجر کتب نے ۱۹۵۷ء کی جنتری شائع کی ہے جس میں متعدد دینی مضامین اور معلومات بھی ہیں۔ دوست اسے خرید کر فائدہ حاصل کریں۔

(٦١)

سیرتِ محمدی کا اصل ماخذ

ازجناب سمیع اللہ صاحب انچارج احمدیہ مسلم مشن بمبئی (انڈیا)

ہندوپاکستان کے سنجیدہ طبقہ کی طرف سے جب "ریلیجس لیڈر" نامی کتاب کے خلاف ملک کے طول و عرض میں احتجاجی جلسے ہوتے تو امریکی رسالہ "ٹائم نیوز میگزین" نے یکم اکتوبر کے شمارہ میں ان مظاہروں پر رائے زنی کرتے ہوئے لکھا کہ کتاب مذکورہ کے جن حصوں پر اعتراضات کئے گئے ہیں۔ ان کا ماخذ ابن اسحاق کی تصانیف ہیں۔ مولینا عبدالماجد صاحب دریابادی کے سامنے جب "ٹائم نیوز میگزین" کا یہ جواب پیش کیا گیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ ابن اسحاق کی تصانیف میں صرف یہی ایک نہیں۔ بلکہ اور بھی بہت سی بے اصل روایات ہیں۔

اس جواب سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے۔ کہ سید الاتقیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر علماء نے جتنی کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں تغافل یا غیر شعوری طور پر بعض ایسی باتیں بھی داخل ہو گئی ہیں۔ جن کے باعث اغیار کو سیرتِ محمدی پر حرف گیری کا موقع ملتا ہے

دشمنانِ اسلام خصوصاً عیسائیوں اور آریوں نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب جب داغدار بنا کر دکھانے کی کوشش کی تو ان سبھوں نے بھی متقدمین کی انہیں روایات کو سند میں پیش کیا۔

ان روایات پر جب ایک پاک دل انسان اخلاقی نقطۂ نظر سے غور کرتا ہے۔ تو اس کا ضمیر فوراً انکو رد کر دیتا ہے لیکن نہایت افسوس ہے کہ ابھی تک واعظ گو اور میلاد خواں طبقہ انہیں روایات کو نہایت دلچسپی سے بیان کرتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں عوام کا مزاج اتنا بگڑ گیا ہے۔ کہ وہ سیرت کی اعلیٰ اخلاقی تعلیمات کی کوئی قدر نہیں کرتا۔ اور وہ انہیں کتابوں کو پسند کرتا ہے۔ جن میں اسی قسم کی رطب و یابس روایات جمع کر دی گئی ہیں۔

نفسیاتی طور پر اس کی اصل وجہ یہ ہے۔ کہ جب کوئی شخص اپنی آبائی سوسائٹی اور پرانا مذہب چھوڑ کر دائرۂ اسلام میں آتا ہے۔ تو اگر اس کو بصیرت و عرفان الٰہی سے حصہ وافر ملا ہو تو وہ اس دائرہ میں آکر بھی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ میں انہیں دلچسپیوں کی تلاش کرتا ہے۔ جن کی انہیں اپنی دیوی یا دیوتا کے سوانح حیات میں تلاش رہتی تھی۔

اوائل اسلام کی تاریخ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں بھی کچھ ایسے لوگ تھے۔ جو اپنا آبائی مسلک چھوڑ کے دائرۂ اسلام میں تو آگئے مگر اپنے ساتھ بہت سے ایسے خیالات و روایات بھی لیتے آئے

الفرقان سیرۃ نمبر

جن سے اسلامی ماحول میں اصلاح و تقویت کی بجائے
فساد و اضمحلال پیدا ہوتا ہے۔ اسماء الرجال کی کتابوں
کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ کئی ایسے رُواۃ ہیں جن کی
روایات ہر موقع پر پائی جاتی ہیں۔ مگر وہ اسلامی روایات
کے ساتھ اپنے آبائی خیالات کی آمیزش بھی کر دیتے تھے
خواہ دانستہ یا غلط فہمی کے طور پر۔ اس ضمن میں حضرت
ابوہریرہؓ اور وہب ابن منبہ کی مثال پیش کی جا سکتی ہے
انہیں حالات کے باعث اصحاب جرح و اعتدال کو یہ
اصول بنانا پڑا کہ راوی کا صرف ثقہ ہونا کافی نہیں بلکہ
ان کا صاحبِ اجتہاد ہونا بھی ضروری ہے۔ اور ہم
دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات اربابِ اصول نے اس
اصل کی اتنی رعایت کی کہ وہ حضرت ابوہریرہؓ جیسے
مکثرین صحابہ کی روایت و درایت پر بھی اعتبار
نہ کر سکے۔

اس جگہ خطبہ حجۃ الوداع کا یہ جملہ ہماری
رہنمائی کرتا ہے کہ ربّ مبلغ اوعیٰ من سامع۔
یعنی کبھی سُنانے والے سے سُننے والا زیادہ عقل
اور گہری نظر رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ تاریخی سند سے ہم یہ واقفیت
بھی رکھتے ہیں کہ بہت سے لوگوں نے ارادتاً بھی
روایات وضع کی ہیں۔ "موضوعاتِ کبیر" میں ہے کہ
خلیفہ ہارون رشید کے سامنے ایک ایسا ہی واضع
روایات لایا گیا تو اس نے سرِ دربار اقرار کیا کہ میں نے
چالیس ہزار روایتیں وضع کر کے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دی ہیں اور وہ امت میں
ایسی مشہور ہو گئی ہیں کہ اب ان کی تمیز بھی دشوار ہے۔
ان کے علاوہ ایک اور طبقہ صوفیاء کرام کا تھا جو ترغیب
و ترہیب کے لئے احادیث وضع کرنا جائز سمجھتا تھا۔
یہی وجہ ہے کہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں جو
احادیث درج کی ہیں ان میں سے ایک بڑے حصہ کو
موضوع قرار دیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں دوسری مشکل یہ پیش آئی کہ بعض
روایات ایسی بھی ہیں جن کا مضمون واقعات، مشاہدہ
اور قرآن کریم کے مطابق ہے۔ مگر سلسلۂ روایت
کے لحاظ سے ساقط الاعتبار ہے۔ جیسے لولاک
لما خلقت الافلاک۔ اس طرح سیرت کی
تدوین میں بہت سی صحیح احادیث بھی نظر انداز ہو گئیں۔
محدثوں کو تدوینِ احادیث کی راہ میں یہی مشکلات
پیش آئیں اور انہیں پر قابو پانے کے لئے اصولِ حدیث
وضع کیے گئے۔ اور ایک فقید المثال علم "اسماء رجال"
وجود میں آیا۔

محدثین کرام نے ترتیب سیرت میں اکثر ان اصول
کو ملحوظ رکھا۔ اسی لئے امام بخاری و مسلم نے لاکھوں
احادیث کے ذخیرہ سے اپنی اپنی مسند جمع کی لیکن اتنی
حزم و احتیاط کے بعد بھی بعض مجروح روایات ان
کتب میں بھی داخل ہو گئیں۔ اور بعض صحیح روایات ان
سے خارج رہ گئیں۔ اس لئے صحیح یہ ہے کہ محض احادیث
و روایات کو سامنے رکھ کر سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم
پر روشنی ڈالنا نہایت دشوار ہے۔ خصوصاً ان حالات
میں کہ رُواۃ کی ثقاہت کے متعلق ناقدین کے خیالات

بہت مختلف ہیں۔ اگر اُمتِ محمدیہ ان مشکلات سے دوچار نہ ہوئی ہوتی تو آج اغیار کو "ریلیجس لیڈرز" جیسی کتابوں کے لئے اسلامی کتب میں روایات نہ ملتیں۔

لہٰذا ان گرداب حوادث سے بچنے کے لئے اب ہم کو سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا ماخذ ایک ایسی کتاب کو قرار دینا چاہیئے جس نے دُنیا کو اخلاق و انسانیت کی بے مثال تعلیم دی۔ یعنی کتاب اللہ قرآن کریم اور اس کے بعد سُنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں اپنی اُمت کو جو نصیحت کی وہ بھی یہی تھی اور آپؐ نے انہیں ان دو چیزوں پر عمل کرنے والوں کو ہدایت کی ضمانت دی ہے۔

قرآن کریم میں آپؐ کی خانگی، شہری اور مُلکی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور آپؐ کی حیاتِ طیبہ کے چیدہ چیدہ واقعات نہایت لطیف انداز میں ذکر کیا گیا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپؐ کے اخلاق و شمائل کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ کان خلقہ القرآن یعنی اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات معلوم کرنے ہوں تو قرآنِ پاک کھول کر دیکھ لو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو قرآن کریم کے آئینہ میں سیرت محمدیؐ کے تمام ابواب نظر آتے تھے۔ ان کے نزدیک آپؐ کی زندگی قرآن کریم کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ یعنی قرآن کریم نے انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے متعلق جو ہدایات دی ہیں آپؐ ان تمام امور پر کاربند تھے۔

قرآن کریم کے بعد آپؐ کی سُنّتِ مطہرہ ہے۔ سُنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی نمونہ کو کہتے ہیں۔ اُمت پر آپؐ کا یہ زبردست احسان ہے۔ کہ آپؐ نے قرآنی احکام کے تمام شعبوں پر عمل کر کے دُنیا کے سامنے قرآنی سیرت کا ایک عملی نمونہ پیش کر دیا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ فضیلت دی کہ آپؐ کو ایک ایسی زندہ و فعال جماعت دی جس نے آپؐ کی سُنّتوں پر عمل کر کے ان کو آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کر لیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عشق تھا اس کی مثال صفحۂ تاریخ میں نہیں ملتی۔ صحابہ کرامؓ نے آپؐ کے اقوال و افعال کی نقل اُتار لی تھی۔ ان کی معاشرت، سوسائٹی آپؐ کے رنگ میں رنگین ہو گئی تھی۔ ان کا لباس، کھانے پینے کا ذوق، بات چیت کے آداب، اہل و عیال سے تعلقات اور مذہبیت و شہریت کے قوانین۔ غرض ان کی زندگی کے تمام شعبے آپؐ کے سانچے میں ڈھل گئے تھے۔

پھر امتِ محمدیہ پر خدا کی دوسری رحمت یہ ہوئی کہ یہی صحابہ کرام کبھی مجاہد اور کبھی مبلغ اسلام کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جیتی جاگتی تصویر بن کر اطراف عالم میں پھیل گئے۔ پورے ایشیا میں صحابہ کرامؓ کی آمد کے آثار ملتے ہیں چین و ہندوستان تک میں صحابہ کرامؓ کی مساجد و قبروں کا پتہ ملتا ہے۔ ان ہی

اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوقِ سیاحت اور جوشِ تبلیغ کے باعث دنیا کے گوشے گوشے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا عملی نمونہ پہنچ گیا۔

آج ہزارہا انقلابات کے بعد بھی دنیا کے گوشے گوشے میں اسلامی معاشرت کے مزاج میں جو یک گونہ یکسانیت پائی جاتی ہے۔ وہ اسی سنت کی تبلیغ و اشاعت کا نتیجہ ہے مسلمانوں کو اسلامی معاشرہ کی دولت سنت ہی کے ذریعہ ملی ہے۔ اگر خدانخواستہ آج احادیث کا دفتر دنیا میں نہ ہوتا تو کیا مسلمان سنتِ نبوی سے ناآشنا رہتے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ آپ کا عملی نمونہ جو تواتر کے ساتھ ہر زمانہ کے مسلمانوں کو ورثہ کے طور پر ملا ہے اصل میں وہی ہمارا ماخذ ہے۔

اور صحیح یہ ہے کہ مسلمان اگر سنت کے مقابلہ میں محض روایات کو ترجیح نہ دیں تو آج ہی بہت سے مفاسد کا سدِباب ہوجائے۔ عرس، نیاز، محرم، ایسے بہت سے مسائل ہیں جو آج محض فلسفیانہ موشگافیوں یا الہامانہ روایت پرستیوں کے باعث پیدا ہوگئے ہیں۔ سنت میں اس کا کوئی پتہ نہیں۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ اگر آج بھی مسلمان قرآن کریم و سنتِ مطہرہ کا دامن مضبوطی سے تھام لیں تو مسئلہ ختم نبوت و اجراء نبوت کا حل فوراً نکل آئے۔

اس صدی کے مشہور سیرت نگاروں میں سے مولانا شبلی و مولانا سلیمان ندوی کو اس کا شدید احساس ہوا۔ ان دونوں نے اپنی تصنیفات "سیرۃ النبی" کو سیرت کے اسی محور پر لانے کی کوشش کی اور انہیں ایک حد تک کامیابی بھی ہوئی۔ لیکن یہ ایک یا دو آدمیوں کے بس کا روگ نہیں۔ اس کے لئے تو ساری قوم کے مزاج کو استوار ہونا چاہیئے۔ اگرچہ مسلمانوں کو بار بار وعظ و نصیحت اور تقریر و تحریر کے ذریعہ اس اصل پر لانے کی کوشش کی گئی مگر خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔ لیکن امید ہے کہ اب "ریلیجس لیڈرز" کا حملہ ان کے طرزِ فکر و عمل میں کوئی انقلاب پیدا کر دے گا۔

اس زمانہ میں سیرت کے مستحکم معلومات حاصل کرنے کا ایک ذریعہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی تحریرات بھی ہیں آپ کی ساری تحریریں قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و سنت کے گرد چکر کھاتی ہیں۔ اگرچہ آپ نے سیرۃ پر کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی لیکن آپ نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں جا بجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر انتہائی صحت مندانہ طریق پر روشنی ڈالی ہے۔ اور اگر آپ کی وہ تمام تحریریں اکٹھی کی جائیں تو پھر سیرت محمدی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں رہتا جس پر نکتہ چینی کی جاسکے۔

پھر مطالعۂ سیرت کے لئے دو اور کتابوں کا ذکر بھی مفید ہے۔ ایک سیرۃ النبی از حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ اور دوسری سیرت خاتم النبیین از حضرت مرزا بشیر احمد خلف صادق حضرت مرزا غلام احمد متعنا اللہ بطول بقائہم۔ ان دونوں کتابوں میں واقعات تو وہی بیان کئے گئے ہیں جو دوسری متداول کتب میں موجود ہیں لیکن ان واقعات کا موجودہ فلسفہ اخلاق و نقطۂ نفسیات کے ماتحت جس طرح تجزیہ کیا گیا ہے۔

ان کی مثال یکجائی طور پر اردو عربی کی کسی تصنیف میں نہیں ملے گی۔

سیرت نگاری کے معارک میں سب سے نازک مرحلہ جنسیات کا آتا ہے۔ جنسیات کے متعلق تمام ادیان کے مقابل اسلام کا ایک خاص نظریہ ہے۔ جو افراط و تفریط کے بین بین ہے! اور یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ وہ ذات ستودہ صفات جس نے جائز و ناجائز جنسی تقاضوں ان کے درمیان ایک حدِ فاصل قائم کی۔ اور اپنی ساری امت کو جنسیات کے باب میں ایک حد اعتدال پر قائم کر دیا۔ عموماً نہیں کو جنسیات کے ناجائز تقاضوں میں مبتلا کر کے دکھایا جاتا ہے حالانکہ ایک انسان جس کے روزمرہ کے مشاغل اتنے گوناگوں ہوں کہ وہ ایک نہایت ہی معاند و مخالف قوم کو پیغام آسمانی سنا رہا ہو۔ ایک نہایت ہی جاہل قوم کی تعلیم و تربیت میں مصروف ہو۔ شب و روز مدافعانہ مہموں میں لگا ہو۔ قوموں سے عہود و مواثیق کر رہا ہو۔ اور پھر عبادت گزار ایسا کہ میدان جنگ میں بھی عبادتِ الٰہی سے غافل نہ ہوتا ہو۔ اور پنج گانہ فرائض کے علاوہ رات کو بالالتزام تہجد کے لئے اٹھتا ہو۔ اور اس عقیدت کے ساتھ کہ کبھی کبھی ساری رات عبادت میں بسر کر دیتا ہو۔ پھر قناعت و توکل کا یہ عالم کہ گھر میں کوئی اندوختہ یا پس انداز سرمایہ نہیں۔ اور اس پر جود و سخا کا وہ جوش کہ کسی سائل کو محروم نہ کرتا ہو۔ بھلا ایسے آدمی کے لئے جنسیات میں منہمک ہونے کو کونسا وقت یا سرمایہ رہ جاتا ہے۔ وہ جس نے بچپن یتیمی میں گزارا۔ اور دنیا کے حوادث دیکھ دیکھ کر جس کا دل دردمند ہو گیا۔ جو ہر وقت یتیموں، بیواؤں اور مظلوموں کی دستگیری کی فکر میں رہتا۔ اس کے لئے تو ساری دنیا دکھی تھی۔ وہ دنیا کو دکھ سے نجات دینے کے لئے آیا تھا یا جنسی خواہشات میں الجھنے کیلئے؟

مہاتما گوتم بدھ کے سوانح میں جو باتیں سب سے اجاگر کر کے دکھائی جاتی ہیں۔ اگر وہ باتیں ایک ایسے آدمی کی زندگی میں ڈھونڈی جائیں۔ جو زمانہ تاریخ کا ہو۔ اور جس کی زندگی کا حرف حرف محفوظ ہو تو وہ صرف ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ملیں گے۔ لوگ جب آپ کے جنسی جذبات کا ذکر کرتے ہیں۔ تو انہیں یہ یاد نہیں آتا کہ یہ وہی شخص ہے جسکو آغاز عہدِ نبوت میں مکہ کے تمام رؤسا نے حسین ترین لڑکی کی پیشکش کی تھی۔ دولت و حکومت کی لالچ بھی دی تھی۔ ایسے آدمی کے لئے بھلا اس سے زیادہ سنہرا موقعہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ مگر وہ متقی و پارسا وجود کس صفائی سے جواب دیتا ہے کہ اگر میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند رے دو تب بھی میں اس خدمت سے باز نہیں آ سکتا جو خدا نے میرے سپرد کی ہے۔ اس جگہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ آپکے سامنے یہ پیشکش اس وقت کی گئی تھی جب آپکے عقد زوجیت میں ایک ایسی عورت تھی جو آپ سے عمر میں دوگنی تھی۔ اور جسکے دانت تک گر گئے تھے۔ اگر خدانخواستہ آپ میں یہی جذبہ موجزن تھا۔ تو اس پیشکش کو ٹھکرانے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی۔ غرض آپ کی زندگی کا ہر دور انتہائی طہارتِ نفس اور کمال پاکیزگی کے ساتھ گزرا ہے۔ اگر ابن اسحاق وغیرہ کی ایسی بے اصل روایات سے قطع نظر کرتے ہوئے سیرۃ النبی صلی اللہ

تبصرہ

۱۔ تذکرہ (باردوم)

یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات و وحی کا مجموعہ ہے۔ کافی عرصہ سے یہ مجموعہ نایاب تھا۔ اب الشرکۃ الاسلامیہ نے اسے زرکثیر صرف کر کے شائع کیا ہے۔ اس میں بہت سے وہ الہامات بھی درج ہیں جو پہلی دفعہ مرتب کرنے والوں کو مل نہ سکے۔ اب انہیں بڑی محنت سے باحوالہ درج کیا گیا ہے۔ احباب جماعت بڑی دیر سے زیر دست مطالبہ کر رہے تھے۔ اب نہایت عمدہ کاغذ پر اور عمدہ طباعت کے ساتھ تذکرہ شائع ہو چکا ہے۔ قیمت ساڑھے بارہ روپے مقرر ہے۔ ملنے کا پتہ:۔ الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ۔

۲۔ تفسیر کبیر جلد ۶ جزء آخر

یہ تفسیر سورۃ الکافرون سے آخر تک کی سورتوں کی ہے۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ نے ان سورتوں کے معارف و حقائق ارشاد فرمائے ہیں۔ یہ نہایت قیمتی مجموعہ ہے۔ بڑے حجم کے ۲۱۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ ملنے کا پتہ الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ۔ قیمت چار روپے۔

۳۔ شرح القصیدہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مشہور قصیدہ یا عین فیض اللہ والعرفان۔۔۔۔ کی شرح میں مکرم مولانا جلال الدین صاحب شمس نے نہایت فاضلانہ انداز میں یہ رسالہ تصنیف فرمایا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تائید ربانی سے یہ قصیدہ سید ولد آدم حضرت خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف میں عربی زبان میں تصنیف فرمایا تھا۔ اب جناب مولانا نے اس کی شرح میں قریباً دو صد صفحات کا رسالہ مرتب فرمایا ہے۔ غیر احمدی احباب میں بھی اس رسالہ کی اشاعت بہت مفید ہوگی۔ انشاء اللہ۔

ملنے کا پتہ:۔

الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ

قیمت مجلّد عہ

سلام بحضور سیّد الانامؐ

نتیجۂ جذبات حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ
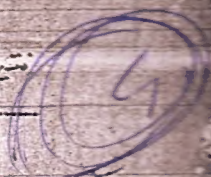
بدرگاہِ ذی شانِ خیر الانامؐ — شفیعُ الورٰی - مرجعِ خاص و عام

بصد عجز و منت - بصد احترام — یہ کرتا ہے عرض آپ کا اِک غلام

کہ اے شاہِ کونین عالی مقام

علیک الصّلوٰۃ علیک السّلام

حسینانِ عالم ہوئے شرمگیں — جو دیکھا وہ حسن اور وہ نورِ جبیں

پھر اس پر وہ اخلاق اکمل تریں — کہ دشمن بھی کہنے لگے آفریں

زہے خُلقِ کامل - زہے حسنِ تام

علیک الصّلوٰۃ علیک السّلام

خلائق کے دل تھے یقیں سے تہی — بتوں نے تھی حق کی جگہ گھیر لی

ضلالت تھی دنیا پہ وہ چھا رہی — کہ توحید ڈھونڈے سے ملتی نہ تھی

ہوا آپ کے دم سے اس کا قیام

علیک الصّلوٰۃ علیک السّلام